بسم اللہ الرحمن الرحیم

غالب اور اختر

حضرت غالب کی غزلیات پر تضمین بعنوان مدحِ اہلبیتؑ

خطیبِ ملت

مولانا اختر زیدی

باہتمام انجمن عزاداران اہلبیتؑ

غالب اور اختر

(حضرتِ غالبؔ کی غزلیات پر تضمین بعنوان مدحِ اہلِ بیتؑ)

مولانا اختر زیدی

غالب اور اختر

پہلی اشاعت
فروری ۱۹۷۲

تعداد ــــــــ ۱۵۰۰
کتابت ــــــــ منشی مشتاق
آرٹسٹ (سرورق) ــــــــ انجیاد
طباعت (کتاب) ــــــ رفیق شین پریس، حیدرآباد
طباعت (سرورق) ــــ انتخاب پریس حیدرآباد

قیمت
چار روپے

ناشران
انجمن عزاداران اہل بیت حیدرآباد
22-2-277/2 کمیٹ بالسٹی، حیدرآباد دکن ۲۴
(آندھرا پردیش ــ انڈیا)

عرضِ ناشران

حمد و ثنائے پروردگار اور محمد و آلِ محمدؐ پر درود و سلام کے بعد

شکرِ باری تعالیٰ کہ انجمنِ عزاداران اہلبیتؑ، خطیبِ ملت مولانا اختر زیدی صاحب قبلہ کا تخلیقی کارنامہ "غالب اور اختر" حسبِ وعدہ بروقت شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔

خطیبِ ملت اور ان کے اس شاہکار تضمینی کارنامے کا تعارف سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ البتہ مولانا نے جس محنت اور جانفشانی کے ساتھ غالب جیسے مسلم الثبوت فن کار کے مصرعوں پر ذکر و مدحِ اہلبیتؑ کے مصرعے پہنچائے ہیں اس کے لئے ہم صرف انہیں خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔ اور ہم مولانائے محترم کے تہہِ دل سے مشکور ہیں کہ انہوں نے ہمیں اس گراں قدر سرمایہ کو کتابی صورت میں شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

ہم زبدۃ العلماء مولانا سید ذیشان حیدر صاحب قبلہ مجتہد کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے خطیبِ ملت کے توسط سے پیش کردہ ہمارے معروضہ کو قبول کرکے ہمارے اس کتاب کے لئے ایک مفید اور جامع مقدمہ تحریر فرمایا۔

اراکینِ انجمنِ عزادارانِ اہلبیت نے اس مقدس کام کا بیڑہ تو اٹھا لیا تھا مگر اس عزم کو عملی پیکر تک لانے کے لئے ہمیں افرادِ قوم کے تعاون کی شدید ضرورت لاحق تھی اور بفضلِ تعالیٰ ہمیں ہر قدم پر قوم کے اکثر حضرات کا علمی و مالی تعاون حاصل رہا جس کے لئے ہم اپنے جذبات کی گہرائیوں کے ساتھ ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

کتاب کی طباعت کے سلسلے میں سرمایہ کی فراہمی اور اشاعت سے قبل خریدار فراہم کرنے کے کام میں جن حضرات

کا تعاون ہمیں حاصل رہا ان میں خاص طور سے قابلِ ذکر عباس نواب صاحب فرزندِ نواب معین یاور جنگ بہادر نعیم، میر احمد علی صاحب صدر انجمنِ پروانۂ شبیرؑ۔ نواب عباس حسین خاں صاحب، علی نواب فرزندِ رضا نواب صاحب، محمود حسن صاحب، جواد صاحب، عابد علی عثمانی صاحب، آغا اظہر علی صاحب، احمد آغا صاحب، علمدار حسین باقری صاحب، رمضان علی شاکر صاحب، منظر صاحب، ڈاکٹر عسکری صاحب، ابوالحسن صاحب فرزند مولانا تقی حسن وفا صاحب قبلہ، کیپٹن عباس عابدی صاحب، اظہار حیدر عابدی صاحب، اقبال عابدی صاحب، حسن رضا صاحب کے علاوہ علمدار حسین رضوی صاحب (پروانۂ شبیرؑ) تفضل حسین صاحب (غدیر کمیٹی)، باقر، ناظر اور خورشید صاحبان (مختار کمیٹی)، خورشید نقوی صاحب (انجمنِ علمدار حسینؑ) محترمہ عطیہ دلدار حسین اور ڈاکٹر محسن (مقیم امریکہ) ہیں۔

ناسپاس گذاری ہوگی اگر جناب جعفر حسین صاحب رضوی مدیرِ "منصف" کا شکریہ نہ ادا کیا جائے جنہوں نے اس کتاب کی طباعت کے خرچ کا بار برداشت فرمایا اور طباعت کے دوران شخصی طور پر ممکنہ حد تک نگرانی بھی فرماتے رہے۔ محمد جعفر صاحب مالکِ رفیق مشین پریس نے بھی طباعت کے سلسلہ میں ذاتی دلچسپی لی جس کیلئے ہم شکر گذار ہیں۔

ہم اراکینِ شیعہ اسٹڈی سرکل حیدرآباد کے بھی ممنون ہیں جنہوں نے کتاب کی اشاعت کے اعلان کے ساتھ ہی ہماری طرف دستِ تعاون بڑھایا اور ہر مرحلہ میں ہمارے دوش بدوش کام کیا۔ اس سلسلے میں جناب میر یوسف علی صاحب معتمدِ سرکل خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔

انجمن کو خصوصی عطایا بھی وصول ہوئے اور ہم نے اس اعانت کے سہارے کتاب کی تعدادِ اشاعت میں اضافہ کر دیا ہے تاکہ یہ کتاب کثیر تعداد میں ہندوستان اور بیرونِ ہند کے ادبی مراکز، اہم اداروں اور ممتاز مفکرین اور ناقدینِ ادب کی خدمت میں بلا معاوضہ روانہ کی جا سکے۔ اس طرح ان خصوصی عطایا سے ایک مفید خدمت ممکن ہو سکی۔

کتاب عام کتابی سائز سے بڑی سائز پر شائع ہوئی ہے۔ یہ اس لئے ضروری تھا کہ غالب کی غزلیات کے اشعار بھی تضمین کے ساتھ پہلو بہ پہلو دینا ضروری تھا اور چھوٹی کتابی سائز پر اس کی کتابت نمایاں اور جلی خط میں ناممکن تھی۔

امید ہے کہ ہماری یہ قومی و ادبی خدمت بارگاہِ خداوندی اور درگاہِ محمدؐ و آلِ محمدؐ میں شرفِ قبولیت پائیگی اور ہماری شفاعت و نجات کا باعث قرار پائے گی۔ (آمین)

اراکینِ انجمنِ عزادارانِ اہلِ بیتؑ

حیدرآباد

مُقدّمہ

زبدۃ العلماء مولانا سید ذیشان حیدر صاحب قبلہ جوادی مجتہد العصر

بسم اللہ و لہ الحمد

ادب میں حقیقت پسندی کا رجحان جہاں ان مذاہب کیلئے سم قاتل ہے جنکی بنیاد اوہام، خیالات مزعومات اور بے بنیاد تصورات پر ہے وہاں اس مذہب کے لئے خوش آئند مستقبل کا اشارہ بھی ہے جسکے عقاید عملی زندگی کی بنیاد اور جس کے افکار و آرا حقیقت و فطرت کے ترجمان ہیں ادب کا رجحان کتنا ہی ترقی پسند کیوں نہ ہو جائے اس حقیقت سے انکار ممکن نہ ہوگا کہ شاعری کی دنیا میں سچا اور اچھا شعر وہی ہے جس کے سوتے دل کی گہرائیوں سے پھوٹتے ہوں اور جس کی جڑیں دماغ کے اندر دور تک پھیلی ہوتی ہوں۔ ادب کی خارجیت یا داخلیت اس کی اہمیت پر اثرانداز نہیں ہو سکتی۔ جدید ترین تصورات کی بنا پر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان جس قدر حقیقت پسند ہوگا اور اس کے دل و دماغ نے جسقدر واقعیات کو جذب کیا ہوگا اتنا ہی اچھا اور سچا شعر تخلیق کر سکے گا

دنیا کے اکثر و بیشتر حقائق کی بنیاد مشاہدات اور تجربات پر ہوتی ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ ایسے تمام حقائق تغیر پذیر ہوتے ہیں اس لئے ان کی بنیاد پر عالم ظہور میں آنے والا ادب اتنا جاندار نہیں ہو سکتا جتنا جاندار اور پائیدار وہ ادب ہوگا جسکی بنیاد پائیدار اور مستحکم حقائق پر ہو۔ ایسے حقائق جنہیں انقلاباتِ زمانہ بدل نہ سکیں اور جو زمانہ کے حوادث و تقلبات سے متاثر نہ ہو سکیں۔

مذہبی شاعری کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ اس کی جڑیں دلوں کی گہرائیوں میں ہوتی ہیں اور اسکے افکار کا سرچشمہ ذہن و دماغ کے اندر ہوتا ہے اور شاعری جس تاثر کا تقاضا کرتی ہے وہ بھی مذہب ہی کی دنیا میں پایا جاتا ہے۔ ایک مذہبی انسان جسقدر اپنے افکار و نظریات سے متاثر ہوتا ہے اتنا شدید تاثر دوسرے افراد کے لئے ناممکن ہے۔ انصاف کی دنیا میں یہ سوچنا بھی جرم ہے کہ جتنا شدید جذبہ محبت ایک مردِ مومن کے دل میں ہوتا ہے اتنا شدید اور پاکیزہ جذبہ کسی غیر کے دل میں بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

تاریخ کے عظیم و قدیم شعرا کے کلام کا مطالعہ اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ انہیں جن موضوعات سے واقعی دل چسپی تھی اور جن مسائل سے ان کا دل متاثر تھا ان کے اظہار میں انھوں نے انتہائی کمال کا مظاہرہ کیا ہے اور جو مسائل ان حدود سے باہر تھے انھیں نظم کر کے آگے بڑھ گئے ہیں۔

ان حالات میں میرا ذاتی عقیدہ یہ ہے کہ صحیح عقیدہ اور سچے مذہب کی ترجمانی سے بالاتر نہ کوئی شاعری ہے نہ ادب اور اسی بنیاد پر مرثیہ اور مذہبی قصائد سے زیادہ پُر اثر نہ کوئی شعر ہوتا ہے نہ سخن۔

زیرِ نظر کلام کی ایک عظیم خصوصیت یہی ہے کہ اس کی تخلیق کرنے والے عزیزِ محترم جناب اختر زیدی صاحب جہاں ایک طرف سائنس کے منتہی ہونے کے اعتبار سے حقائقِ کائنات اور ارتقاء علوم و فنون سے بڑی حد تک باخبر ہیں وہاں دوسری طرف شدید مذہبی جذبات کے حامل اور مبلغ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کو شعر و خطابت پر بیک وقت عبور حاصل ہے جبکہ

شعر قلبی واردات کے اظہار کا نام ہے اور خطابت دوسروں کے نفسیات کے مطالعہ کی متقضی۔

دکن کے باہر کے حضرات آپ کو صرف ایک خطیب کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن اہلِ دکن آپ کو ایک باکمال شاعر کی حیثیت سے بھی پہچانتے ہیں۔ دکن کے بارے میں میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ یہاں کے مذہبی افراد اپنے عقائد و جذبات میں بیحد شدید ہوتے ہیں اور اگر محبت کی حد بندی کر کے اس میں بھی غلو کا کوئی تصور ممکن ہوتا تو ان حضرات کو محبت کا غالی کہنا ممکن ہو جاتا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ محبت کی کوئی تحدید ممکن نہیں ہے۔

محبتِ آلِ رسولؐ کی اس شدت کا تقاضا تاثرات اور جذبات کی شدت ہے جس کے بعد مذہبی شاعری میں اس خاص کیفیت کا پیدا ہو جانا ناگزیر ہے۔ جذبات وعقائد کی اسی شدت کا نتیجہ تھا کہ ہمارے محترم زیدی صاحب نے کلامِ غالبؔ پر تضمین کر کے اسے بھی مذہبی رنگ میں کھینچ لیا۔ اختر صاحب کو اس سلسلے میں چند دشواریوں سے گذرنا پڑا ہے۔ کلامِ غالبؔ کے خصوصیات پر نظر رکھنا، اس کے معنی و مفاہیم کیطرف متوجہ رہنا، اس کے رخ کو غزل سے مدح کی طرف موڑ دینا لیکن یہ کمالِ فن اور توفیقِ الٰہی ہے کہ آپ مکمل طور پر اپنے فریضہ سے عہدہ برآ ہوئے ہیں اس سلسلے میں آپ کو یہ سہولت ضرور حاصل ہوئی ہے کہ آپ کے مذہبی جذبات غالبؔ کے جذبات سے جدا نہیں تھے۔ آپ بھی بندۂ مرتضیٰ علیؑ پر نازاں ہیں اور وہ بھی بندگیٔ بوترابؑ میں مشغولِ حق رہا کرتے تھے۔ اور سچی شاعری میں مذہبی جذبات کا دخل انداز ہونا ضروری اور ناگزیر ہے اس لئے یہ بات قطعی ہے کہ غالبؔ کو غزل کا مواد اکثر و بیشتر مذہبی دنیا سے ملا ہے جس کے شواہد پیش کئے جا سکتے ہیں اور خود اس کتاب میں محسوس حد تک پائے جاتے ہیں۔ اختر زیدی صاحب کا ہنر یہ ہے کہ انھوں نے ان تمام دکھتی ہوئی رگوں پر ہاتھ رکھ دیا ہے جہاں سے غالبؔ کے افکار کا سلسلہ شروع ہوتا تھا اور ان تمام سوتوں کو تلاش کر لیا ہے جہاں سے غالبؔ کے فکر نے لیا

کے چشمے پھوٹتے تھے۔

میں جناب اختر زیدی صاحب کو اس کامیاب کوشش پر مبارکباد دیتا ہوں اور انجمنِ عزادارانِ اہلِ بیتؑ کے ارکان کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے اس زرین مجموعہ کو حاصل کر کے شائع کرنے کا عزم کیا اور قوم کو اس کی افادی حیثیت سے محروم نہیں رہنے دیا۔ خدا کرے یہ کتاب دکن کی مذہبی دنیا میں بصورتِ "آفتاب" تابندہ و تابناک رہے، اور طالبانِ حقیقت اس کی روشنی سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔

سیّد ذیشان حیدر جوادی

۱۱۔ ڈسمبر ۱۹۷۱ء

الٰہ آباد۔ یو۔پی

یا علیؑ

پیش سخن

اختر زیدی

خدا کا شکر کہ بطفیلِ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام "غالب اور اختر" حسبِ وعدہ شائع ہوگئی۔ کسی کتاب میں مصنف، مؤلف یا شاعر کی طرف سے پیش لفظ کی نوعیت رسمی ہوتی ہے جس میں فنکار کتاب کے موضوع کا تعارف کرواتا ہے اور کچھ اخلاقی ذمہ داریوں سے ادا ہوتا ہے مگر میرے لئے زیرِ نظر کتاب کے تعلق سے چند ایسی باتوں کا اظہار ضروری ہے جو اس مجموعہ کے مطالعہ کو زیادہ مفید بنا سکتی ہیں اور پڑھنے والوں کو بہت سی امکانی الجھنوں سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔

اس سلسلے میں پہلی قابلِ ذکر بات: چند دلچسپ اور حیرت ناک تبصروں سے متعلق ہے۔ جیسے ہی اس کی اشاعت کا اعلان کیا گیا اور چند نمونے کے اشعار بطورِ تعارف چھپوا کر تقسیم کئے گئے اس کے بارے میں مختلف حلقوں میں چرچے ہونے لگے۔ عام طور پر اسے ایک غیر معمولی کارنامہ قرار دیا گیا۔ شخصی طور پر بے شمار اہلِ ذوق نے

میری ہمت افزائی کی۔ اسکے ساتھ ہی ناقابلِ لحاظ تعداد میں سہی بعض افراد نے مضحکہ خیز تبصرے بھی کئے۔ میرے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ کسی بزرگ نے اس قسم کی تضمین کو غالب کو "شیعہ" بنانے یا ثابت کرنے کی کوشش کا نام دیا۔ یہ بات غالب کے مسلک سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی بھی دور میں غالب کا شیعہ ہونا کوئی اختلافی مسئلہ رہا ہو۔ اس خصوص میں میں اس بات کو دلیل بنانا نہیں چاہتا کہ غالب کلام اور نثر میں آلِ رسولؐ اور خصوصیت کے ساتھ ذاتِ جنابِ علی علیہ السلام سے والہانہ عقیدت کا اظہار کرتا ہے کیونکہ یہ بات اسلام کے کسی فرقہ سے کلیتہً مخصوص نہیں کیجا سکتی۔ ہر دور میں اسلام کے تمام فرقوں سے چیدہ چیدہ ایسے افراد سامنے آتے رہے ہیں جنہوں نے حضرت علیؑ سے اپنی گہری عقیدت کا اظہار کیا ہے اور ان کے کمالات و فضائل کی کثرت سے مدح کی ہے۔ آج بھی علاوہ صوفیاء اور مشائخین کے میں خود ذاتی طور پر دیگر فرقوں کے ایسے کئی افراد سے واقف ہوں جو ذاتِ جنابِ امیرؑ سے والہانہ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں اور بعدِ رسولؐ ان کو خلافتِ باطنی کا وارث جانتے ہیں۔ اس سے قطعِ نظر غالب نے کئی جگہ امامیہ فرقہ کے مخصوص عقائد کا اظہار کھلے طور پر کیا ہے۔ ویسے کسی شاعر کے اشعار پر تضمین کو اسے اپنا ہم مذہب بنانے کی کوشش قرار دینا بھی کچھ کم مضحکہ خیز نہیں۔ اس سلسلے میں مزید کوئی بات تضیعِ اوقات ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ نوجوان اہلِ ذوق غالب کے شیعہ یا غیرِ شیعہ ہونے کی الجھن میں پڑے بغیر اس دل چسپ مجموعہ کا مطالعہ کریں۔

دوسرا تبصرہ یہ رہا کہ اس تضمین کو غالب کے اشعار کی "پیروڈی" کہا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ طنز اور اسکا منشاء یہ ہے کہ طنز کرنے والے غالب کے مصرعوں کے مقابلہ میں میرے مصرعوں کو مضحکہ خیز سمجھتے ہیں۔ اسکا حقیقی اندازہ تو کتاب کے مطالعہ کے بعد ہی ہوگا مگر اس سلسلے میں ایک قابلِ افسوس بات کا اظہار ضروری ہے۔ تضمین کے بعد مکمل شعر چاہے کسی معیار کا ہو گیا ہو مگر جب اس کا موضوع مدحِ رسولؐ و آلِ رسولؐ ہے تو مسلمان کے لئے اس کا احترام لازم ہے۔ لیکن اسلام کا ایک المیہ یہ بھی رہا ہے کہ عام طور پر اہلِ اسلام آلِ رسولؐ کی عظمت، علوِ منزلت، رفعتِ کردار اور ان کی نورانیت سے کماحقہ واقف

ہیں رہے اس کے نتیجہ میں ان سے منسوب شدہ باتوں سے عقیدت اور احترام کی کمی بھی پائی جاتی ہے اور اگر ں تبصرہ سے غالب کے کلام کی بے نظیر خصوصیات کی بناء پر غالب کے کمالِ محبت کا اظہار ہے تو یہ بات اور زیادہ سوسناک ہے کہ غالب کے کمالِ فن کے اعتراف کا قصر توہینِ ذکرِ رسولؐ اور آلِ رسولؐ کی بنیادوں پر تعمیر کیا جائے. برت ہے کہ ایسے لوگوں کو وہ ساری غزلیں جو غالب کی زمینوں میں لکھی گئی ہیں یا تضمین کہ جو غزل ہی کے پیرایہ ں کہی گئی ہو پیروڈی نہیں معلوم ہوتیں۔

اس تبصرہ کا ایک پہلو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسی تضمین کوئی کمال کی بات نہیں ہے اسلئے کہ غالب کی زلیات پر مزاحیہ انداز میں بھی تضمین کی جا سکتی ہے اور کی گئی ہے۔ یہ بات اور زیادہ ناقابلِ فہم ہے کیونکہ جہاں تک زاحیہ رنگ دینے کا تعلق ہے یہ تو حمد و نعت کے مصرعوں کی صورت میں بھی ممکن ہے مگر کیا اس کی بناء پر حمد و نعت کے معیاری ذخیرہ کو ناقابلِ اعتنا سمجھا جا سکتا ہے. صرف اس بنیاد پر کہ غالب کے اشعار کیساتھ مضحکہ بھی بھی ممکن ہے کسی سنجیدہ کوشش کو بھی طنز و مزاح کا نشانہ بنا دینا خلطِ مبحث کے سوا کچھ بھی نہیں۔ کسی ذہن میں یہ بات بھی نہ رہنے پائے کہ میں نے اس سلسلے میں غالب سے ٹکر لینے کی یا ان سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کے نام "غالب اور اختر" سے ایسی غلط فہمی کو راہ مل سکتی ہے مگر یہ نام صرف اس بات کو ظاہر کرنے کیلئے رکھا گیا ہے کہ یہ مجموعہ مدح، حضرت غالب اور اختر زیدی کے فن کے انوکھے اشتراک کا نتیجہ ہے۔ میری طرف سے یہ کوشش غالب کی عظمتِ فن کے اعتراف کیساتھ بعنوانِ استفادہ ہے نہ کہ بصورتِ مقابلہ، میرے لئے اس قسم کی کوئی بات خارج از بحث قرار پاتی ہے کیونکہ میں نے اس تضمین کے ذریعہ غالب کے مصرعوں کا موضوع ہی بدل دیا ہے۔ اگر میں اس کوشش میں کامیاب قرار پاؤں تو اس کا Credit بھی غالب ہی کو جاتا ہے کیونکہ میرے لئے یہ ناممکن ہوتا کہ میں اپنے مصرعہ کے ذریعہ غالب کے مصرعہ سے بعنوانِ مدحِ آلِ رسولؐ کوئی ربط پیدا کر سکتا۔ اگر غالب کے کلام کا بیشتر حصہ زندگی کی آفاقی اور ابدی اقدار کا آئینہ دار نہ ہوتا۔ ذکرِ رسولؐ اور آلِ رسولؐ کی جملہ نسبتیں اس سے کہیں بالاتر ہے کہ اس کسی "با معشوق گفتن" قسم کی شاعری سے جوڑ دیا جا سکے۔ اب اگر اس مجموعہ میں غالب کے ایسے مصرعوں پر بھی تضمین ملے کہ جس میں ان خصوصیات کے بجائے روا روی کا سا انداز ہے بلکہ کہیں کہیں صرف لفظی الٹ پھیر ہے تو ایسے مصرعوں پر میری تضمین بھی راست ذکرِ اہلِ بیتؑ کے بجائے تاریخی واقعات سے متعلق ہے یا طنزیہ پہلو لئے ہوئے ہے یا پھر کوئی مقامات پر یہ تضمین وابستگان و غلامانِ آلِ محمدؐ سے متعلق ہو گئی ہے۔

اس مجموعہ کے تعلق سے یہاں اس بات کی طرف بھی متوجہ کرنا ضروری ہے کہ کئی مقامات پر غالب کے مصرعوں کے اعتبار سے مفہوم کو گرفت میں لانے کیلئے مجھے بھی غالب کی پیروی کرنی پڑی ہے اس لئے بہت سے شعر شرح طلب ہو گئے ہیں۔ اس تضمین کو دونوں مصرعوں کی پوری رعایتوں کیساتھ پڑھنا اور سمجھنا پڑھنے والوں کا فرض ہے ورنہ بہت سے اشعار پر بے ربطی کا الزام آجائیگا۔ ویسے اگر اہلِ ذوق مجھے اس مجموعہ کی دیگر خامیوں کی طرف متوجہ فرمائیں تو یہ تنقید میرے لئے رہبری کا باعث بنے گی۔ اس کے علاوہ بعض مخصوص اصطلاحات کو سمجھنے کیلئے مذہبی ادب سے گہری واقفیت اور اہلِ بیت سے متعلق ادبی اظہارات و علامات کا علم لازمی ہے۔ جہاں جہاں "حبِ علیؑ"، "عشقِ علیؑ"، "قربِ علیؑ" کی اضافتیں آئی ہیں ان کے لفظی مفہوم کے علاوہ علامتی تصور کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ قرآن، مستند تفاسیر و احادیث اور سچی تاریخ کی روشنی میں یہ بات طے شدہ ہیکہ علیؑ کی ذات جامعِ کمالات ہے۔ اور لفظِ علیؑ علامت ہے بلند ترین یقین، عدل، شجاعت، حق، علم اور تقدس کردار کی۔ اسلئے ذاتِ علیؑ کیساتھ عشق اور محبت کا مطلب ان صفات سے محبت ہے۔ اسی طرح جہاں دشمنِ علیؑ، بغضِ علیؑ، غیرِ علیؑ کی اضافتیں استعمال ہوتی ہیں وہاں صفاتِ خیر سے دوری اور شر سے ربط کا مفہوم لیا جاتا ہے۔ ان باتوں کی خود ساختہ منفی انداز میں تاویل ایسا کرنے والوں کی ذمہ داری ہے بلا لحاظِ ملک و ملت تاریخِ انسانی کے ہر دور میں اہلِ خیر اور اہلِ شر موجود رہے ہیں اور ہمارے نظامِ علم و منطق میں علیؑ اور ان سے ربط خیر کی علامت، اور ان سے دوری اور دشمنی شر اور جہل کی خصوصیت سمجھی گئی ہے۔

اس تخلیقی کام کی ابتدا اسطرح سے ہوئی کہ دو سال قبل شریعت کدہ سلطان العلماء مولانا رضا آقا صاحب قبلہ مجتہد کے ایک مقاصدہ کیلئے غالب کا مصرع "مشغولِ حق ہوں بندگیٔ بوتراب میں" بطورِ طرح دیا گیا تھا۔ یہ بات میرے ذہن میں آئی کہ بجائے اس زمین میں قصیدہ یا منقبت کہنے کے، غالب کی اس غزل ہی کو تضمین کے ذریعے منقبت میں بدل دیا جائے۔ چنانچہ یہ پہلی غزل تھی جس کے مصرعوں پر میں نے تضمین کی تھی اور اس کو جب محفل میں سنایا گیا تو حاضرین کے علاوہ خود مولانا رضا آقا صاحب قبلہ نے بھی بہت پسند فرمایا۔ پھر اسکے بعد مجھے خیال پیدا ہوا کہ غالب کی دیگر غزلیات کے مصرعوں پر جہاں تک ممکن ہو سکے کیوں نہ ایسی تضمین کی جائے۔ اپنے اس خیال کا اظہار میں نے سب سے پہلے قبلہ و کعبہ والدِ محترم مولانا میر اقبال علی صاحب زیدی مدظلہ سے کیا اور ان کو چند اشعار بھی سنائے۔ انہوں نے میری اس کوشش کو پسند کیا۔ مجھے شاعری اور خطابت کے جوہر ان ہی سے ملے ہیں اور میرا ذوقِ علم و فکر بعد لطف

پروردگار و عنایاتِ معصومین علیہم السلام و والدِ محترم ہی کا پروردہ ہے۔ اس ہمت افزائی کی بنا پر میں نے اس کام کا آغاز کردیا۔

بین الاقوامی شہرت یافتہ اسلامی مفکر اور دانشور جناب سید حسن عسکری صاحب پروفیسر سماجیات عثمانیہ یونیورسٹی نے میری اس کوشش کو تخلیقی کارنامہ قرار دیا۔ ان کے اس خیال کو میں اپنے لئے سند سمجھتا ہوں۔

شعر و سخن سے متعلق اہم امور میں میں ہمیشہ برادرِ محترم جناب سعید شہیدی صاحب سے تبادلہ خیال کیا کرتا ہوں۔ اس بارے میں جب ان سے گفتگو ہوئی تو انہوں نے ہمیشہ کی طرح میرے ذوقِ شعر گوئی کی ہمت افزائی کرتے ہوئے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے پر زور دیا۔ چونکہ یہ کام خود میرے لئے دلچسپ بھی تھا اسلئے تھوڑے ہی عرصہ میں میں نے اسے مکمل کرلیا۔ اور گذشتہ دو سال کے عرصہ میں اس کلام کو چیدہ چیدہ مخصوص محفلوں میں سنایا گیا۔ پھر آگرہ اور پٹنہ میں اپنے قیام کے دوران وہاں کے اہلِ ذوق نے بھی اسے سنا۔ ان سننے والوں میں مقامی و بیرونی علماء و ذاکرین بھی ہیں جن میں مجتہد العصر مولانا اوجی صاحب قبلہ، سلطان الواعظین مولانا سید ریاض الدین حیدر صاحب قبلہ، زبدۃ العلماء مولانا ذیشان حیدر صاحب قبلہ، خطیب الایمان مولانا طاہر جرولی صاحب قبلہ، خطیب اکبر مولانا اطہر صاحب قبلہ، مولانا مرزا اشفاق صاحب، مولانا شرافت حسین صاحب قبلہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان سب حضرات نے اس جدت کو سراہا اور مجھے اسکی اشاعت کی جانب متوجہ فرمایا۔ اس کے علاوہ خطیبِ اہلبیت مولانا عباس رضوی صاحب قبلہ، مولانا اصغر حسین صاحب قبلہ نجفی اور مولانا محمد صادق صاحب قبلہ نجفی کو یہ اشعار سنائے تو جا سکے مگر انہوں نے بھی میری اس کوشش کو پسند فرمایا۔

اس کتاب کی اشاعت میں جن افراد نے تعاون کیا ہے انکا شکریہ ادا کرنا اصولاً تو "انجمنِ عزاداران اہلبیت ع" کا کام ہے مگر مجھے ذاتی طور پر بعض حضرات کے جذبۂ محبت و خلوص کو خراجِ تشکر پیش کرنا ضروری ہے۔ جن میں سرِفہرست زبدۃ العلماء مولانا سید ذیشان حیدر صاحب قبلہ مجتہد کا نام ہے جنہوں نے انجمن کی خواہش اور میری سفارش پہ عنوان گذارش پر اس کتاب کا مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ یہاں اصل وضاحت فرض ہے کہ انجمن نے مولانا کی خدمت میں پورے اشعار روانہ نہیں کیے بلکہ اس میں سے منتخب اشعار بھیجے گئے تھے۔ ان ہی اشعار میں ذیل کی تضمین بھی شامل تھی جو کتاب کے مطبوعہ تعارفی رقعہ میں بھی موجود ہے۔

"حرؑ نے سر رکھ دیا قدموں پہ شہ والا کے ٭ ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا"

اس شعر کے بارے میں مولانا نے مجھے متوجہ فرمایا کہ غالب کے مصرعہ میں "ہائے" اور "زود پشیماں" کے الفاظ کی بنا پر طنز نمایاں ہے اور حضرتِ حرؑ کی پشیمانی عملاً مقدس ان الفاظ سے مناسبت نہیں رکھتی اسلئے اسے تبدیل کرنا چاہیئے۔ میں نے اپنی طرف سے وضاحت کی تھی کہ یہ طنز غالب کی غزل کے شعر میں تو موجود ہے مگر میری تضمین کے بعد یہ

فرق ایک واقعہ کا اظہار ہو گیا ہے لیکن میں نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ میں انکی رائے کا احترام کرتے ہوئے اسے بدل دوں گا کیونکہ شعر کے تجزیہ کے مرحلے میں شاعر سے زیادہ اہلِ نظر نقاد کی رائے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے اسے تبدیل کر دیا ہے مگر چونکہ تعارفی اعلانات میں مندرجہ بالا تضمین موجود تھی اسلئے اسکی وضاحت ضروری سمجھی گئی۔ اس بات کا افسوس ہے کہ وقت کی کمی اور بعض مجبوریوں کی بنا پر مولانا کی خدمت میں پورے اشعار نہ بھیجے جا سکے اور ان کی رائے سے مکمل طور پر استفادہ کا موقع نہ مل سکا۔

میں محترم جناب امیر علی رحمت اللہ صاحب، محترمہ طلعت علاء الدین صاحبہ، اور محترمہ بانو طاہرہ سعید صاحبہ کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کام کیلئے ہر طریقے سے بھرپور تعاون کیا۔

انجمنِ عزاداران اہلِ بیتؑ کے اراکین سبطین رضوی، قمر نواب، صمصام علی گوہر، ہادی بھائی، محمد نقی، راحت عزمی، آغا حمید، رشید شہیدی، نقی حسین، محمد علی زیدی، احمد علی کرمانی، شائق حسین، اور میرے بھائی مشتاق جنہوں نے بڑی جانفشانی اور توجہ کیساتھ اس مجموعہ کی کتابت بلا معاوضہ کی ہے، سب ہی مجھ سے بہت قریب ہیں اتنے زیادہ کہ دونوں میں شکریہ کی گنجائش بھی مشکل سے نکلے گی۔ میں انکی توفیقاتِ ایمانی میں ترقی کی دعا کرتا ہوں۔

اسکے علاوہ انجمن کے دو کارکن حسن علی مرزا اور علی جاوید مقصود خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان دونوں نے طباعت اور اشاعت کے تمام مراحل میں خود کو رات دن مشغول رکھا۔ اس کتاب کے بروقت شائع ہونے میں ان کی محنت کا بڑا حصہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس خلوصِ عمل کا سبب مجھ سے قریبی تعلق سے کہیں زیادہ محبتِ اہلِ بیتؑ ہے۔ اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو دعا میری طرف سے ہے اور جزا محمدؐ و آلِ محمدؑ کی بارگاہ سے ملے گی۔

میں ان تمام حضرات کا بھی شکر گذار ہوں جن کے اسمائے گرامی تو میں نہیں جانتا مگر جنہوں نے اسکی اشاعت میں تعاون فرمایا۔

(دستخط) رشید

حیدرآباد۔
فروری ۱۹۷۲ء

غالب اور اختر

اس مجموعہ تضمین کیلئے اشعار غالب کے مروجہ دیوان، نسخہ حمیدیہ، انتخاب آسی کے علاوہ غالب کے غیر مروجہ کلام سے بھی لئے گئے ہیں۔

——— ادارۂ انجمن عزاداران اہل بیتؑ

یا علیؑ

بندہ اسد اللہ الغالب علی ابنِ ابی طالبؑ

اسد اللہ خاں غالب

کے نام

——— سیّد علی عابد اختر زیدی



حضرت اسد اللہ خان غالب



مولانا اختر زیدی

غالب	اختر
آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا	ہے علیؑ کے ذکر میں کچھ اس طرح پروازِ فکر مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا
جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا	دستِ عباسؑ جری کی تیز رفتاری نہ پوچھ سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا
کاوِ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا	بعد اصغرؑ ماں کے حق میں روز و شب کیا ہیں سخت صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا
دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا	جب یہ سوچا میں نے رن میں شہ کا خیمہ جل گیا دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا
دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا	کربلا میں کیا بتایا جائے کیا کیا جل گیا آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
تیشہ بغیر مر نہ سکا کوہکن اسدؔ سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا	وہ ذہن جو حسینؑ کے غم کو نہ پا سکا سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا
ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا	ذکرِ علیؑ سے پیرہنِ فکر مل گیا میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

اختر	غالب
غالبؔ نے حُر کو دیکھ کے حق کو سمجھ لیا حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا	یہ لاش بے کفن اسدؔ خستہ جاں کی ہے حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا
خیبر میں لازمی تھا علیؑ کو علم ملے عشقِ نبرد پیشہ طلب گارِ مرد تھا	دھمکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا عشقِ نبرد پیشہ طلب گارِ مرد تھا
یوں تو ہے ذکرِ وفا پھر بھی بغیرِ عباسؑ ہے یہ وہ لفظ جو شرمندۂ معنی نہ ہوا	دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلی نہ ہوا ہے یہ وہ لفظ جو شرمندۂ معنی نہ ہوا
کربلا کا غم پا کر یہ نہ پوچھ کیا پایا درد کی دوا پائی دردِ لا دوا پایا	عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا درد کی دوا پائی دردِ لا دوا پایا
مصروفِ مدح نیاز ہے مداحِ اہلِ بیتؑ یہ وقت ہے شگفتنِ گل ہائے ناز کا	رنگِ شکستہ صبحِ بہارِ نظارہ ہے یہ وقت ہے شگفتنِ گل ہائے ناز کا
سلمانؑ اپنے ساتھ ہی لے کر چلے گئے سینہ کہ تھا دفینہ گہرہائے راز کا	تاراج کاوشِ غمِ ہجراں ہوا اسدؔ سینہ کہ تھا دفینہ گہرہائے راز کا
اخترؔ جہاں میں اہلِ ولا کی کمی نہیں محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا	محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
غمِ شبیرؑ میں دامن بھی گریباں نکلا شوق ہر رنگ رقیبِ سر و ساماں نکلا	شوق ہر رنگ رقیبِ سر و ساماں نکلا قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

غالب

ستائش گر ہے زاہد جس قدر اس باغِ رضواں کا
وہ اک گلدستہ ہے ہم بے خودوں کے طاقِ نسیاں کا

دکھاؤں گا تماشہ دی اگر فرصت زمانے نے
مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سروِ چراغاں کا

بیاں کیا کیجئے بیدادِ کاوش ہائے مژگاں کا
کہ ہر یک قطرۂ خوں دانہ ہے تسبیحِ مرجاں کا

خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
چراغِ مردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا

بغل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں ورنہ
سبب کیا خواب میں آ کر تبسم ہائے پنہاں کا

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

نظر میں ہے ہماری جادۂ راہِ فنا غالب
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا

اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالب گنبدِ بے در کھلا

اختر

بہ نامِ خلد اک عنواں ہے فیضِ شاہِ مرداں کا
ستائش گر ہے زاہد جس قدر اس باغِ رضواں کا

لحد میں ایک نورانی چمن ہوگا مودت کا
مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سروِ چراغاں کا

لہو سینے سے بہہ جائے جو ماتم میں عبادت ہے
کہ ہر یک قطرۂ خوں دانہ ہے تسبیحِ مرجاں کا

ڈھلا عاشور کا دن اک اداسی چھا گئی مجھ پر
چراغِ مردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا

مرے مولا کبھی وہ وقت بھی آئے کہ ہم پوچھیں
سبب کیا خواب میں آ کر تبسم ہائے پنہاں کا

سکینہؑ شام کے زنداں میں آنسو روک لیتی بی بی
قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

امامِ عصرؑ ہوگا قتل عالم مضطرب ہوگا
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا

قبر میں اس کے وسیلے سے کھلیں گے در ہزار
واسطے جس شہ کے غالب گنبدِ بے در کھلا

غالب	اختر
ہے خیالِ حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا	مالکِ جنت کی الفت میں یہ رتبہ مل گیا خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا
بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا رکھیو یارب یہ درِ گنجینۂ گوہر کھلا	ماتمِ شبیرؑ میں آنسو رہیں ہر دم رواں رکھیو یارب یہ درِ گنجینۂ گوہر کھلا
کیوں اندھیری ہے شبِ غم ہے بلاؤں کا نزول آج ادھر ہی کو رہیگا دیدۂ اختر کھلا	موت کا دن ہے علیؑ جس رخ پہ ہونگے جلوہ گر آج ادھر ہی کو رہیگا دیدۂ اختر کھلا
کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پر اب دیکھا تو کم ہوئے پہ غمِ روزگار تھا	ناداں غمِ حسینؑ کو کم کر کے خوش کہاں دیکھا تو کم ہوئے پہ غمِ روزگار تھا
موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال ہر ذرہ مثلِ جوہرِ تیغ آبدار تھا	عباسؑ گر کے خاک پہ زخمی بہت ہوئے ہر ذرہ مثلِ جوہرِ تیغ آبدار تھا
شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا شعلۂ جوالہ ہر یک حلقۂ گرداب تھا	اپنی محرومی پہ قلبِ علقمہ جلتا رہا شعلۂ جوالہ ہر یک حلقۂ گرداب تھا
میں نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے اس کے سیلِ گریہ سے گردوں کفِ سیلاب تھا	رات اختر محوِ گریہ تھا غمِ شبیرؑ میں اس کے سیلِ گریہ سے گردوں کفِ سیلاب تھا
یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا	یہ ضرور تھا کہ مرتے ترے دیکھنے کو مولاؑ اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

غالب	اختر
رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا	غم شہ میں وہ تپش ہے کہ سلگ ہی پڑتا عالم جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا	جو علیؑ سے کچھ نہ ملتا تو ولی کہاں سے ہوتے نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا	ہے نئی طرح کا پرسہ کہ سکینہؑ کھائے دُرّے کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا
بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا	سخت مشکل ہے غلام شہ مرداں ہونا آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
وائے دیوانگیٔ شوق کہ ہر دم مجھ کو آپ جانا ادھر اور آپ ہی حیراں ہونا	شدت جلوۂ حیدرؑ سے یہ ہے عقل کا حال آپ جانا ادھر اور آپ ہی حیراں ہونا
گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا	آ گیا شام غریباں کا تصور دل میں در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا
عشرت قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا	ناصران شہ دیں کو ہے شہادت کی خوشی عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا
کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا	نزع میں غیر کو ہے بغض علیؑ پر افسوس ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

غالب	اختر
ہائے اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا	کہاں رومالِ عزادار کہاں وہ کپڑا جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا
دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا	باعثِ تسکینِ دل ہے کربلا کا غم مجھے دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
حضرتِ ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرشِ راہ کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا	رتبۂ حیدرؑ کو سمجھانے چلے ہیں چند لوگ کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا
ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا	علیؑ کو گر نہ دیکھا تو کیا کیا نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا
فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا	غدیری عہد دنیا بھول بیٹھی ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا
نفس موجِ محیطِ بے خودی ہے تغافل ہائے ساقی کا گلہ کیا	اگر کوتاہ ہو ظرفِ مودت تغافل ہائے ساقی کا گلہ کیا
دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا	مشیت نے اٹھائے ناز جس کے ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
کیا کس نے جگر داری کا دعویٰ شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا	علیؑ کا عشق خود ان کی عطا ہے شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا

غالب — اختر

غالب

بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات
عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

اختر

کلام حیدری اللہ اکبر
عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

درخورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا

جب کہ حق دارِ غمِ شہ کوئی ہم سا نہ ہوا
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم
اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا

قید در وارثِ کعبہ کو کہاں غیر جو تھے
اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا

درخورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا

بس کہ ہے فاضلِ طینت سے ہماری خلقت
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا

کم نہیں نازشِ ہم نامیٔ چشمِ خوباں
تیرا بیمار برا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا

یا علی لمحۂ دیدار قریب آ ہی گیا
تیرا بیمار برا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا

سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا

اشکِ غم آبِ بقا بن کے ملے کوثر میں
خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا

قطرہ میں دریا دکھائی نہ دے اور جزو میں کُل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

کربلا نازشِ کعبہ نظر آئے نہ جسے
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

زکوٰۃِ حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا
چراغِ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا

علی کے در سے مل جائے اگر حسنین کا صدقہ
چراغِ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا

غالب	اختر
نہ مارا جان کر بے جرم غافل تیری گردن پر رہا مانند خونِ بے گنہ حق آشنائی کا	نہ ہو عرفاں تجھے نورِ محمد کا تو گردن پر رہا مانند خونِ بے گنہ حق آشنائی کا
تمنائے زباں محوِ سپاسِ بے زبانی ہے مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا	شہِ دیں نے بلایا اپنے زائر کو بہر صورت مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا
وہی اک بات ہے جو یاں نفس واں نکہتِ گل ہے چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا	ولایت کے گلستاں سے ملا رنگِ بیاں مجھ کو چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا
نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہائے جدائی کا	عریضے میں امام عصرؑ کو اختر یہی لکھ دے کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہائے جدائی کا
دل کو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہو جائے گا	بولے شہ جو سر ہتھیلی پر رکھے وہ ساتھ دے یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہو جائے گا
سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا	تو زمانے کا ہے صاحب تو اگر ہو مہرباں مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا
باغ میں مجھ کو نہ لے جا ورنہ میرے حال پر ہر گلِ تر ایک چشمِ خوں فشاں ہو جائے گا	شہ کے ہاتھوں پر علیؑ اصغر کا لاشہ دیکھ کر ہر گلِ تر ایک چشمِ خوں فشاں ہو جائے گا
وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائے گا	میری بخشائش کا ساماں ہو گیا اور غیر کو اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائے گا

غالب — اختر

غالب

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی ہے دانا اسد
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا

اختر

دشمنِ مولا سے ہم اتنا سمجھ کر دور ہیں
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا

غالب

جب بہ تقریبِ سفر یار نے محمل باندھا
تپشِ شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا

اختر

حُر بڑھا راہِ شہادت میں کہ عشق جس دم
تپشِ شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا

غالب

نہ بندھے تشنگیِ ذوق کے مضموں غالب
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

اختر

پھر بھی تشنہ ہی رہا تشنگیِ شاہ کا ذکر
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

غالب

ہے ایک تیر جس میں دونوں چھدے پڑے ہیں
وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا

اختر

دونوں میں اک کھٹک ہے پیکانِ حرملہ کی
وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا

غالب

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا
بحر اگر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا

اختر

آنکھ روتی نہ غمِ شہ میں تو جلنے لگتی
بحر اگر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا

غالب

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیِ جا کا
گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

اختر

وسیع کتنا ہے مولاؑ کے عشق کا احساس
گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیِ جا کا

غالب

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیِ جا کا
گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

اختر

غمِ حسینؑ کا طوفاں سمٹ کے اشک بنا
گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

غالب

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب
مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

اختر

کجا قلم مرا اور مدحِ اہل بیتؑ کجا
مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

غالب	اختر
حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی دوامِ کلفتِ خاطر ہے عیش دنیا کا	یہ راز ہم کو بتایا ہمارے مولاؑ نے دوامِ کلفتِ خاطر ہے عیش دنیا کا
غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بے جا کا	غمِ حسینؑ میں گم ہوں گذر بھی جا دنیا مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بے جا کا
ہنوز محرمیِ حسن کو ترستا ہوں کرے ہے ہر بُنِ مو کام چشمِ بینا کا	جمالِ مظہرِ رب کے لئے دمِ آخر کرے ہے ہر بنِ مو کام چشمِ بینا کا
نہ کہہ کہ گریہ بہ مقدارِ حسرتِ دل ہے مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا	رہے گا حشر تلک علقمہ خسارے میں مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا
دردِ منت کشِ دوا نہ ہوا میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا	جب بھی دل میں اٹھا بنامِ حسینؑ دردِ منت کشِ دوا نہ ہوا
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو اک تماشا ہوا گلہ نہ ہوا	ذکرِ حیدرؑ پہ معترض ہیں یہ سب اک تماشا ہوا گلہ نہ ہوا
دردِ منت کشِ دوا نہ ہوا میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا	اب علیؑ آئیں گے بہر صورت میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا	بے نیازی کی حد ہے ذوقِ ولا گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

غالب	اختر
ہے خبر گرم ان کے آنے کی آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا	خاک پہ ہو گی مجلسِ شبیرؑ آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا۔	جو نصیری ہے وہ نہیں کہتا بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ڈبویا مجھکو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا	ترا ہونا بغیرِ حبِّ حیدرؑ ہے تو کیہ ظالم ڈبویا مجھکو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
ہوا جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا	سرِ اکبرؑ سناں پر دیکھ کر ماں سوچتی ہوگی نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا
یک ذرہ زمیں نہیں بے کار باغ کا یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالہ کے داغ کا	ہر گوشہ میں ہیں دل کے علیؑ کی ولا کے پھول یک ذرہ زمیں نہیں بے کار باغ کا
جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا	جان دے کر بھی شاہ کے غم میں حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں آج غالب غزل سرا نہ ہوا	یوم عاشور تو نہیں یارو آج غالب غزل سرا نہ ہوا !
بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا	آلِ نبیؐ سے ہٹ کے اگر ہو تو اہلِ دہر کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

اختر	غالب
جب عریضہ مرا پہنچا تو مرے مولا نے رازِ مکتوب بہ بے ربطیِ عنواں سمجھا	وہ مری چینِ جبیں سے غمِ پنہاں سمجھا رازِ مکتوب بہ بے ربطیِ عنواں سمجھا
جب بھی ابھرا ہے تصور میں سکینہؑ کا مزار اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا	شرحِ اسبابِ گرفتاریِ خاطر مت پوچھ اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا
راہِ عرفانِ علیؑ میں وہ ہوا عقل کو ضعف ہر قدم سایہ کو میں اپنے شبستاں سمجھا	سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی ہر قدم سایہ کو میں اپنے شبستاں سمجھا
خارجی[1] ہو نہ سکا عارفِ اوصافِ علیؑ غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا	دل دیا جان کے کیوں اس کو وفادار اسدؔ غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا
لاشِ اکبرؑ پہ پہنچنے میں ہوئی شاہ کو دیر ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا	ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا
حسنِ تدبیر سے گو حُر کا مقدر بدلا اس میں کچھ شائبۂ خوبیِ تقدیر بھی تھا	تم سے بے جا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ اس میں کچھ شائبۂ خوبیِ تقدیر بھی تھا
غم تھا سجادؑ کو زینبؑ کی اسیری کا بہت ہاں کچھ اک رنجِ گراں باریِ زنجیر بھی تھا	قید میں ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد ہاں کچھ اک رنجِ گراں باریِ زنجیر بھی تھا
مسکراتے ہی کھڑے ہو سرِ بالیں مولا بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا	بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

[1] جمع خوارج، علیؑ کی مخالفت کرنے والا۔ ایسا فرقہ جس کو دیگر ۷۲ فرقوں نے اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ علیؑ کا قاتل ابن ملجم بھی اسی گروہ کا رکن ہے۔

غالب	اختر
یوسفؑ اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی گر بگڑ بیٹھے تو میں لائقِ تعزیر بھی تھا	خود کو مداحِ علیؑ میں کہوں خالق کے حضور گر بگڑ بیٹھے تو میں لائقِ تعزیر بھی تھا
دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجہ ٹھنڈا نالہ کرتا تھا ولے طالبِ تاثیر بھی تھا	کیوں نہ شبیرؑ پہ رو رو کے سکوں مجھ کو ملے نالہ کرتا تھا ولے طالبِ تاثیر بھی تھا
پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا ؟	ہیں علیؑ شاہدِ اعمال تو ہم کیوں پوچھیں ؟ "آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا"
ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالبؔ ! کہتے ہیں، اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا	تم ہی اک عاشقِ حیدرؑ تو نہیں ہو اخترؔ کہتے ہیں، اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا دل جگر تشنۂ فریاد آیا	یاد پھر آ گئے ایامِ عزا پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا	چشمِ صغرا ہوئی پھر نم، شبیرؑ پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا
کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی گھر ترا خلد میں گر یاد آیا	خلد گر جائے گا آنکھوں سے علیؑ گھر ترا خلد میں گر یاد آیا
کوئی ویرانی سی ویرانی ہے دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا	کربلا تک جو سکینہؑ پہنچیں دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

غالب	اختر
تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا	ماتم کا اثر گر ترے دل پر نہ ہوا تھا تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا
چھوڑا مہِ نخشب کی طرح دستِ قضا نے خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا	ذرہ جو مشرف ہوا قدموں سے علیؑ کے خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا
توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا	ہٹ کر غمِ شبیرؑ سے آنکھیں ہیں اگر نم آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا
دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا	آنسو غمِ شہ میں ابھی آئے تھے بلا اجر میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا	حبِ حیدرؑ سے اگر ہے کوئی دل نا آشنا عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا
شوق ہے ساماں طرازِ نازشِ اربابِ عجز ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا	خاکِ پائے بوترابؑ و اشکِ گریہ بر حسینؑ ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا
میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا	جو درِ شاہِ نجف سے دور ہو جائے وہ ہے عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا
عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا	جب آ گئے علیؑ تو بہ صد نازِ قربِ دل عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا

غالب	اختر
بروئے شش جہت، درِ آئینہ باز ہے یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا	مجلس میں آگئے تو عزادار بن گئے یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا
وا کر دیے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حسن غیر از نگاہ، اب کوئی حائل نہیں رہا	مولاؑ جو سامنے ہیں تو تابِ نظر بھی ہیں غیر از نگاہ، اب کوئی حائل نہیں رہا
گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا	گو میں عمل کی راہ میں پیچھے تھا یا علیؑ لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
دل سے ہوائے کشتِ وفا مٹ گئی کہ واں حاصل سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا	عباسؑ مشک بھر کے تو نکلے تھے نہر سے حاصل سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا
دردِ دل لکھوں کب تک؟ جاؤں اُن کو دکھلا دوں انگلیاں فگار اپنی، خامہ خوں چکاں اپنا	کربلا کا قصہ ہم لکھ چکے تو یہ دیکھا انگلیاں فگار اپنی، خامہ خوں چکاں اپنا
دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے بارے آشنا نکلا، اُن کا پاسباں اپنا	آستانِ حیدرؑ پر پہرہ دار ہیں سلمانؓ بارے آشنا نکلا، اُن کا پاسباں اپنا
رات دن گردش میں ہیں سات آسماں ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا	ہیں علیؑ اپنی شفاعت کے لئے ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا
جور سے باز آئے، پر باز آئیں کیا کہتے ہیں، ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا	یہ بھی اک پاسِ ادب ہے یا علیؑ کہتے ہیں، ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا

غالب

لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے؟
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

مشہدِ عاشق سے کوسوں تک جو اُگتی ہے حنا
کس قدر یارب! ہلاکِ حسرتِ پابوس تھا

حاصلِ الفت نہ دیکھا، جز شکستِ آرزو
دل بہ دل پیوستہ، گویا اک لبِ افسوس تھا

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

ضعف سے گریہ مبدل بہ دمِ سرد ہوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

اختر

رب نصیری نے کہا کچھ بات تھی
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

ہے سوالِ قبر مولا کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

پائے حیدرؑ سے لپٹ کر مر گیا اُن کا محب
کس قدر یارب! ہلاکِ حسرتِ پابوس تھا

غم میں شہ کے ضبط کی کوشش جو کی دل پھٹ گیا
دل بہ دل پیوستہ، گویا اک لبِ افسوس تھا

غمِ شبیرؑ میں اُلجھن نہیں آرام ملا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

عشقِ حیدرؑ میں فنا خالقِ صد نازِ وجود
عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

کبھی دنیا میں نہ دیکھا گیا جز فوجِ یزید
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

غمِ شبیرؑ کے اشکوں سے فضا میں ہے نمی
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

غالب	اختر
دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا	دور ہونا دلِ پرغم سے خیالِ شبیرؑ ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا
بخشے ہے جلوہ گل ذوقِ تماشا غالبؔ چشم کو چاہیئے ہر رنگ میں وا ہو جانا	جب کہ ہے مظہرِ معبود کا جلوہ ہر سو چشم کو چاہیئے ہر رنگ میں وا ہو جانا
جگر میں ٹوٹے ہوئے مو کی ہے سناں پیدا دہانِ زخم میں آخر ہوئی زباں پیدا	دیا جواب شہیدوں نے استغاثہ کا دہانِ زخم میں آخر ہوئی زباں پیدا
دو رنگیاں یہ زمانے کی جیتے جی ہیں سب کہ مردوں کو نہ بدلتے ہوئے کفن دیکھا	غمِ حسینؑ میں کپڑوں پہ خاک آئی پسند کہ مردوں کو نہ بدلتے ہوئے کفن دیکھا
نہ ہوگا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا حبابِ موجۂ رفتار ہے نقشِ قدم میرا	تاسی کربلا کے قافلے کی میرا منشا ہے نہ ہوگا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا
محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے کہ موجِ بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا	بسی ہے اس طرح انفاس میں بوئے گلِ مدحت کہ موجِ بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا
لبِ خشک در تشنگی مردگاں کا زیارت کدہ ہوں دل آزردگاں کا	بہ فیضِ غمِ کربلا ہے یہ عالم زیارت کدہ ہوں دلِ آزردگاں کا
پوچھا تھا گرچہ یار نے احوالِ دل مگر کس کو دماغِ منتِ گفت و شنود تھا	مولا لحد میں آئے تھے منکر نکیر سے کس کو دماغِ منتِ گفت و شنود تھا

غالب — اختر

غالب

خور شبنم آشنا نہ ہوا، ورنہ میں، اسد
سر تا قدم گزارشِ ذوقِ سجود تھا

اختر

گرتا نہ کیوں علیؑ کے قدم پر کہیں تو خود
سر تا قدم گزارشِ ذوقِ سجود تھا

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

ہے کہاں محمدؐ کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

نگاہِ چشمِ حاسد وام لے اے ذوقِ خود بینی
تماشائی ہوں وحدت خانۂ آئینۂ دل کا

یہاں چودہؑ ہیں لیکن فرق جلووں میں نہیں پایا
تماشائی ہوں وحدت خانۂ آئینۂ دل کا

سراسر تاختن کو شش جہت یک عرصہ جولاں تھا
ہوا واماندگی سے رہرواں کی فرق منزل کا

علیؑ ہیں کُل ایماں اور ہیں ایماں کے دس درجے
ہوا واماندگی سے رہرواں کی فرق منزل کا

ہر رنگ میں جلا اسد فتنہ انتظار
پروانۂ تجلیٔ شمعِ ظہور تھا

غالب امامِ عصر کی خدمت میں آئیگا
پروانۂ تجلیٔ شمعِ ظہور تھا

اندازِ نالہ یاد ہیں سب مجھ کو پر اسد
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

عباسؑ کے جنازے پہ کہہ سکتے تھے حسینؑ
"جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا"

ربطِ یک شیرازۂ وحشت ہیں اجزائے بہار
سبزہ بیگانہ، صبا آوارہ، گل ناآشنا

باغِ اسلامی جو ہو محروم "فیضانِ غدیر"
سبزہ بیگانہ، صبا آوارہ، گل ناآشنا

کل اسد کو ہم نے دیکھا گوشۂ غم خانہ میں
دست بر سر، سر بہ زانوئے دلِ مایوس تھا

کل جو تھی شامِ غریباں حال یہ اختر کا تھا
دست بر سر، سر بزانوئے دلِ مایوس تھا

غالب	اختر
عشق میں، ہم نے ہی ابرام سے پرہیز کیا ورنہ جو چاہیئے اسبابِ تمنا سب تھا	حُرؑ نے خود خواہشِ دنیا کو لگا لی ٹھوکر ورنہ جو چاہیئے اسبابِ تمنا سب تھا
آخرِ کار گرفتارِ سرِ زلف ہوا دلِ دیوانہ کہ وارستۂ ہر مذہب تھا	مذہبِ عشقِ حسینؑ اس کو پسند آ ہی گیا دلِ دیوانہ کہ وارستۂ ہر مذہب تھا
شوق ساماں فضولی ہے، وگرنہ غالب ہم میں سرمایۂ ایجادِ تمنا کب تھا	یہ بھی فیضانِ علیؑ تھا کہ علیؑ کو مانگا ہم میں سرمایۂ ایجادِ تمنا کب تھا
یک گام بے خودی سے لوٹیں بہارِ صحرا آغوشِ نقشِ پا میں کیجئے فشارِ صحرا	عیدِ غدیر آئی محفل سجاؤ یارو یک گام بے خودی سے لوٹیں بہارِ صحرا
دیوانگی اسد کی حسرت کش طرب ہے در سر ہوائے گلشن، در دل غبارِ صحرا	سودا علیؑ کا سر میں، دشمن سے بغض دل میں؟ در سر ہوائے گلشن، در دل غبارِ صحرا
اسد سودائے سرسبزی سے ہے تسلیم رنگیں تر کہ کشتِ خشک اس کا ابرِ بے پروا خرام اس کا	امام عصرؑ گر چاہے تو ویرانہ بھی گلشن ہو کہ کشتِ خشک اس کا ابرِ بے پروا خرام اس کا
عیب کا دریافت کرنا ہے ہنرمندی اسد نقص پر اپنے ہوا جو مطلع، کامل ہوا	عقل پر واجب ہے عرفانِ کمالِ مرتضیٰؑ نقص پر اپنے ہوا جو مطلع، کامل ہوا
ہے اربابِ فطرت قدر دانِ لفظ و معنی ہیں سخن کا بندہ ہوں، لیکن نہیں مشتاق تحسیں کا	سخن پر ور علیؑ ہیں بے نیازی ہے عطا ان کی سخن کا بندہ ہوں، لیکن نہیں مشتاق تحسیں کا



غالبؔ

پوچھ مت وجہ سیہ مستیٔ اربابِ چمن
سایۂ تاک میں ہوتی ہے ہوا موجِ شراب

جس قدر روحِ نباتی ہے جگر تشنۂ ناز
دے ہے تسکیں بدمِ آبِ بقا موجِ شراب

موجۂ گل سے چراغاں ہے گزرگاہِ خیال
ہے تصور میں زبس جلوہ نما موجِ شراب

شرحِ ہنگامۂ مستی ہے زہے موسمِ گل
رہبرِ قطرہ بہ دریا ہے خوشا موجِ شراب

اخترؔ

مست مولائی ہیں اور جنتِ ساقی کا ہے دور
سایۂ تاک میں ہوتی ہے ہوا موجِ شراب

ہم بھی ہیں مستِ مئے معرفتِ ساقیٔ خم
دے ہے تسکین بدمِ آبِ بقا موجِ شراب

ہے مئے حبِ علیؑ سے جو معطر سانسیں
ہے تصور میں زبس جلوہ نما موجِ شراب

لب پہ ہے نامِ علیؑ عالمِ سرمستی میں
رہبرِ قطرہ بہ دریا ہے خوشا موجِ شراب

اختر	غالب
وجہِ شبہ ہے نور و بزرگی ذکرِ علیؑ میں یوں ہم نے ماہ کو درِ تسبیح کواکب جائے نشینِ امام کیا	شامِ فراقِ یار میں جوشِ خیرہ سری سے ہم نے اسدؔ ماہ کو درِ تسبیح کواکب جائے نشینِ امام کیا
کربلا جا کے بھٹکتا نہیں کوئی لیکن خضرؑ مشتاق ہے اس دشت کے آواروں کا	سیرِ آں سوئے تماشا ہے طلب گاروں کا خضرؑ مشتاق ہے اس دشت کے آواروں کا
نبیؐ حسینؑ سے کہہ دیں تو کچھ غلط بھی نہیں ہمارا کام ہوا اور تمہارا نام رہا	بہ مہرِ نامہ جو بوسہ گُل پیام رہا ہمارا کام ہوا اور تمہارا نام رہا
اُبھر رہے تھے تصور میں یوں علیؑ کے قدم کہ شب خیال میں بوسوں کا اژدحام رہا	دہانِ تنگ مجھے کس کا یاد آیا تھا کہ شب خیال میں بوسوں کا اژدحام رہا
سرِ محشر علیؑ، کوثر طلب کچھ غیر بھی ہیں پر جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا	حریفِ جوششِ دریا نہیں خودداریِ ساحل جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا
چاہنے والے سے اپنے یہی کہتے ہیں حسینؑ "تیرے چہرے سے ہو ظاہر غمِ پنہاں میرا"	رخصتِ نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم تیرے چہرے سے ہو ظاہر غمِ پنہاں میرا
ہمارے ہاتھ پیہم اس طرح مصروفِ ماتم ہیں کہ ہے سر پنجۂ مژگانِ آہو پشتِ خار اپنا	اسدؔ ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سر و پا ہیں کہ ہے سر پنجۂ مژگانِ آہو پشتِ خار اپنا
آزما چکی دنیا، بے وسیلۂ حیدرؑ آہ بے اثر دیکھی، نالہ نارسا پایا	دوست دارِ دشمن ہے، اعتمادِ دل معلوم آہ بے اثر دیکھی، نالہ نارسا پایا

غالبؔ

اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست

غیر یوں کرتا ہے میری پرسش، اُسکے ہجر میں
بے تکلّف دوست ہو جیسے کوئی غم خوارِ دوست

تاکہ میں جانوں کہ ہے اُس کی رسائی واں تلک
مجھکو دیتا ہے پیامِ وعدۂ دیدارِ دوست

لکھتا ہوں اسدؔ! سوزشِ دل سے، سخنِ گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت

اختر

طُور پر خالق نے چمکایا کہ دنیا جان لے
کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست

قبر میں مولا نے ایسی پرسشِ احوال کی،
بے تکلّف دوست ہو جیسے کوئی غم خوارِ دوست

حاصلِ صد زندگی کیوں موت کا لمحہ نہ ہو
مجھکو دیتا ہے پیامِ وعدۂ دیدارِ دوست

میں نامِ علیؑ لے کے رقم کرتا ہوں مدحت
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت



غالب

اختر

غالب

اے عافیت! کنارہ کر، اے انتظار چل
سیلابِ گریہ درپئے دیوار و در ہے آج

اختر

دریا رواں ہے اشکوں کا عباسؑ کیلئے
سیلابِ گریہ درپئے دیوار و در ہے آج

غالب

کس بات پہ مغرور ہے اے عجزِ تمنّا
سامانِ دعا وحشت و تاثیرِ دعا ہیچ

اختر

ہو نام علیؑ جس کی زباں پر اسے اخترؔ
سامانِ دعا وحشت و تاثیرِ دعا ہیچ

غالب

آہنگِ اسدؔ میں نہیں جز نغمۂ بیدلؔ
"عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ"

اختر

ہے آلِ محمدؐ کی حقیقت "ہمہ دارد"
"عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ"

غالب

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں، انتظارِ ساغر کھینچ

اختر

زہے کہ آرزوِ قربِ مرتضیٰؑ ہے تجھے
نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ



غالبؔ	اخترؔ
آئے ہے بیکسیٔ عشق پہ رونا غالبؔ کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد	عشقِ حیدرؑ میں بلاؤں کو ملی مجھ سے پناہ کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد
تھا میں گلدستۂ احباب کی بندش میں گیاہ متفرق ہوئے میرے رفقا میرے بعد	یہ بیاں کر کے نبیؐ روئیں تو حیرت کیا ہے "متفرق ہوئے میرے رفقا میرے بعد"
تھی نگہ میری نہاں خانۂ دل کی نقاب بے خطر جیتے ہیں اربابِ ریا میرے بعد	رنگ اڑ جاتا تھا جب ذکرِ علیؑ سنتے تھے بے خطر جیتے ہیں اربابِ ریا میرے بعد
تیغ در کف، کف بہ لب آتا ہے قاتل اس طرف مژدہ باد اے آرزوئے مرگِ غالبؔ مژدہ باد	آ گئے ہیں تیری بالیں پہ علیؑ مشکل کشا مژدہ باد اے آرزوئے مرگِ غالبؔ مژدہ باد
تو پست فطرت اور خیالِ بسا بلند اے طفلِ خود معاملہ قد سے عصا بلند	اے عقل احتیاط، علیؑ کے امور میں تو پست فطرت اور خیالِ بسا بلند
قربانِ اوج ریزیٔ چشمِ حیا پرست یک آسماں ہے مرتبۂ پشتِ پا بلند	پیشانیٔ علیؑ کی بلندی کا کیا حساب یک آسماں ہے مرتبۂ پشتِ پا بلند

غالب

بزم، داغِ طرب و باغِ کشادِ پر رنگ
شمع و گل تا کے و پروانہ و بلبل تا چند

اختر

اب ہے معیارِ وفا ربطِ حسینؑ و عباسؑ
شمع و گل تا کے و پروانہ و بلبل تا چند

اسدِ خستہ، گرفتارِ دو عالم اوہام
مشکل آساں کنِ یک خلق! تغافل تا چند

یا علیؑ تا بہ کجا صبر کرے دل میرا
مشکل آساں کنِ یک خلق! تغافل تا چند

نوازشِ نفسِ آشنا کہاں ورنہ
برنگِ نے ہے نہاں در ہر استخواں فریاد

مرا وجود مناجات بن گیا ہے علیؑ
برنگِ نے ہے نہاں در ہر استخواں فریاد

ہزار آفت و یک جانِ بے نوائے اسد
خدا کے واسطے اے شاہِ بیکساں فریادؑ

نبیؐ کا واسطہ مولائے دو جہاں امداد
خدا کے واسطے اے شاہِ بیکساں فریادؑ



غالب — اختر

غالب

بلا سے ہیں جو یہ پیشِ نظر در و دیوار
نگاہِ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار

اختر

خوشا کمالِ عقیدت کہ دل نجف میں ہے
بلا سے ہیں جو یہ پیشِ نظر در و دیوار

غالب

وفورِ اشک نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ
کہ ہو گئے مرے دیوار و در، در و دیوار

اختر

بہ فیضِ الفتِ مولودِ کعبہ حال یہ ہے
کہ ہو گئے مرے دیوار و در، در و دیوار

غالب

نہیں ہے سایہ کہ سن کر نویدِ مقدمِ یار
گئے ہیں چند قدم پیش تر، در و دیوار

اختر

سنا یہ جب کہ سواری علیؑ کی آتی ہے
گئے ہیں چند قدم پیش تر، در و دیوار

غالب

ہوئی ہے کس قدر ارزانیِ مئے جلوہ
کہ مست ہے ترے کوچے میں ہر در و دیوار

اختر

مزارِ ساقیِ کوثر تری فضا کے نثار
کہ مست ہے ترے کوچے میں ہر در و دیوار

غالب

جو ہے تجھے سرِ سودائے انتظار تو آ
کہ ہیں دکانِ متاعِ نظر در و دیوار

اختر

علیؑ کا گھر بھی ہے کعبہ برائے اہلِ نظر
کہ ہیں دکانِ متاعِ نظر در و دیوار

غالب

ہجومِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے
کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار

اختر

علیؑ کے قدموں پہ سجدہ کیا تو فکر یہ ہے
کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار

غالب	اختر
وہ آرہا مرے ہمسائے میں تو سائے سے ہوئے فدا در و دیوار پر در و دیوار	کوئی مکاں جو بنا روضۂ حسینؑ کے پاس ہوئے فدا در و دیوار پر در و دیوار
نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار	کیا ہے روضۂ زہراؑ کو منہدم جب سے ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار
نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہیں زمانے میں حریفِ رازِ محبت مگر در و دیوار	کبھی جو شب میں نوازا علیؑ نے کوئی نہ تھا حریفِ رازِ محبت مگر در و دیوار
کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن جانوں کسی کے دل کی میں کیوں کر کہے بغیر	تو یا علیؑ تو کہہ کہ میں اپنا سمجھ سکوں جانوں کسی کے دل کی میں کیوں کر کہے بغیر
کام اس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان میں لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر	وہ کام حرملہ نے کیا ہے کہ پھر کبھی لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر
جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے، وگرنہ ہم سر جائے یا رہے نہ رہیں، پر کہے بغیر	جب ہو علیؑ کی بات تو رکنے کا کیا سوال سر جائے یا رہے نہ رہیں، پر کہے بغیر
بہرا ہوں میں تو چاہیئے دونا ہو التفات سنتا نہیں ہوں بات، مکرر کہے بغیر	اک لطف ہے علیؑ کے فضائل میں اسلیئے سنتا نہیں ہوں بات، مکرر کہے بغیر
غالب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض، ظاہر ہے تیرا حال سب ان پر کہے بغیر	اختر ترے امام سے پوشیدہ کچھ نہیں ظاہر ہے تیرا حال سب ان پر کہے بغیر

اختر	غالب
سمجھا زمانہ سوزِ غمِ کربلا سے مجھے سرگرمِ نالہ ہائے شرر بار دیکھ کر	آتش پرست کہتے ہیں اہلِ جہاں مجھے سرگرمِ نالہ ہائے شرر بار دیکھ کر
کیا ہے غمِ حسینؑ زمانہ سمجھ گیا ہم کو حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر	وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ ہم کو حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر
بکتے ہیں ہم بھی نامِ علیؑ پر خوشی کے ساتھ لیکن عیارِ طبعِ خریدار دیکھ کر	بک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ لیکن عیارِ طبعِ خریدار دیکھ کر
اشکِ غمِ حسینؑ کو ہم بیچتے بھی ہیں لیکن عیارِ طبعِ خریدار دیکھ کر	بک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ لیکن عیارِ طبعِ خریدار دیکھ کر
ہر شخص تا فرازِ شہادت نہ جا سکا رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر	زنار باندھ سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر
ہو جائے گی تسلیِ سجادِ ناتواں جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر	ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر
حصے میں سب کے نعمتِ حبِّ علیؑ کہاں دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر	گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طور پر دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر
کعبہ، وہ در، وہ آمدِ مہماں کا مرحلہ یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر	سر پھوڑنا وہ غالبِ شوریدہ حال کا یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

غالب	اختر
لرزتا ہے مرا دل زحمتِ مہرِ درخشاں پر میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خارِ بیاباں پر	مرے دل میں خیال آیا ہے اب اکبرؑ کے سینہ کا میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خارِ بیاباں پر
لرزتا ہے مرا دل زحمتِ مہرِ درخشاں پر میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خارِ بیاباں پر	سحر سے شام تک عاشور کے دن کیا نہیں دیکھا لرزتا ہے مرا دل زحمتِ مہرِ درخشاں پر
فنا تعلیم درسِ بے خودی ہوں اس زمانے سے کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر	پڑھو اب اس سے پہلے میں نے میم اور واو لکھا ہے کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر
مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلودہ یاد آیا کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر	مرے دل کے چمن میں کربلا تیری ہی خنکی ہے کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر
نہ لڑ ناصح سے غالب کیا ہوا گر اس نے شدت کی ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر	غمِ شبیرؑ سے دنیا جو ٹکرائے تو کیا ہوگا ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر
لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور	تھا لاشۂ اصغرؑ پہ سکینہؑ کا یہ نوحہ تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور
مٹ جائے گا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور	مولا مجھے جبریلؑ بھی دیکھے گا بصد رشک ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور
جاتے ہوئے کہتے ہو "قیامت کو ملیں گے" کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور	کیا کہتے ہو عاشور کو آئی نہ قیامت؟ کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

اختر	غالب
آئے ہیں علیؑ دید میں کچھ وقت گذرتا کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور	تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
غمِ شبیرؑ میں مٹ جا حیاتِ جاوداں پانے فروغِ طالعِ خاشاک ہے موقوف گلخن پر	فنا کو سونپ اگر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا فروغِ طالعِ خاشاک ہے موقوف گلخن پر
دنیا کو ہے کیا وہم کہ ہم ذاتِ علیؑ سے کرتے ہیں محبت تو گذرتا ہے گماں اور	ہے بس کہ ہر اک ان کے اشارے میں نشاں اور کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور
یہ لوگ نہیں مانتے مولا کی فضیلت دے اور دل اُن کو۔ جو نہ دے مجھ کو زباں اور	یا رب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات دے اور دل اُن کو، جو نہ دے مجھ کو زباں اور
ٹھوکر جو لگے گی تو پکاریں گے علیؑ کو ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگِ گراں اور	ہر چند سبک دست ہوئے بت شکنی میں ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگِ گراں اور
مصرف یہی ہوتا غمِ شبیرؑ میں روتے ہوتے جو کئی دیدۂ خونابہ فشاں اور	ہے خونِ جگر جوش میں دل کھول کے روتا ہوتے جو کئی دیدۂ خونابہ فشاں اور
دل میں ہیں بہت داغ بہ فیضِ غمِ شبیرؑ ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغِ نہاں اور	لوگوں کو ہے خورشیدِ جہاں تاب کا دھوکا ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغِ نہاں اور
جینے کا یہ مقصد تھا کہ شبیرؑ پہ روئیں کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغاں اور	لیتا نہ اگر دل تمہیں دیتا کوئی دم چین کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغاں اور

اختر	غالب
عرفانِ علیؑ میں ہے تحمل بھی بڑی بات رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور	پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور
سر اپنا ہو علیؑ کے پاؤں پر اور دم نکل جائے جو ہو جاوے نثارِ برق مشتِ خار و خس بہتر	نیازِ عشق خرمن سوزِ اسبابِ ہوس بہتر جو ہو جاوے نثارِ برق مشتِ خار و خس بہتر
ہے بقا صرف وجہِ رب کیلئے ہے کہاں قیصر اور کہاں فغفور	زندگانی پہ اعتماد غلط ہے کہاں قیصر اور کہاں فغفور
علی اصغرؑ پہ اپنے رنگ میں روتے تھے ہم دونوں ملیں گے منزلِ الفت میں ہم اور عندلیب آخر	رگِ گل جادہ تار نگہ سے حد موافق ہے ملیں گے منزلِ الفت میں ہم اور عندلیب آخر
علی اکبرؑ کا سینہ دیکھ کر ماں نے کہا ہوگا ہوئی شامِ جوانی اے دلِ حسرت نصیب آخر	اسد کی طرح میری بھی بغیر از صبحِ رخساراں ہوئی شامِ جوانی اے دلِ حسرت نصیب آخر

اختر	غالب
کیوں رہوں پائے علیؑ سے میں دور کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز	کیوں کر اس بت سے رکھوں جان عزیز کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز
کربلا والوں نے سوچا ہی نہیں واقعہ سخت ہے اور جان عزیز	تاب لائے ہی بنے گی غالب واقعہ سخت ہے اور جان عزیز
میں علیؑ کا غلام ہوں یارو میں اور اندیشہ ہائے دور دراز؟	تو اور آرائش خم کاکل میں اور اندیشہ ہائے دور دراز
کس سے کہیے علیؑ کو کیا سمجھا ہم ہیں اور راز ہائے سینہ گداز	لاف تمکیں فریب سادہ دلی ہم ہیں اور راز ہائے سینہ گداز
غم شبیرؑ کا نہیں آنسو جس سے مژگاں ہوئی نہ ہو گل باز	نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خوں جس سے مژگاں ہوئی نہ ہو گل باز
اک دلیل وجود رب ہے، حسینؑ ریزش سجدۂ جبین نیاز	تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو ریزش سجدۂ جبین نیاز

غالب — اختر

غالب

مجھ کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا
میں غریب اور تو غریب نواز

اختر

اے علیؑ تجھ سے ربط فطری ہے
میں غریب اور تو غریب نواز

غالب

نہ ہو بہ ہرزہ بیاباں نوردِ وہمِ وجود
ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز

اختر

علیؑ نے فرش سے دیکھا ابھی عرش پر بھی رہے
ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز

غالب

نہ ہو بہ ہرزہ بیاباں نوردِ وہمِ وجود
ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز

اختر

ذرا حسینؑ کے ہاتھوں پہ دیکھ لاشۂ جونؓ
ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز

غالب

نہ پوچھ وسعتِ میخانۂ جنوں غالب
جہاں یہ کاسۂ گردوں ہے ایک خاک انداز

اختر

وہ میکدہ ہے ولائے علیؑ کا اے غالب
جہاں یہ کاسۂ گردوں ہے ایک خاک انداز

غالب

فارغ مجھے نہ جان کہ مانندِ صبح و مہر
ہے داغِ عشق زینتِ جیبِ کفن ہنوز

اختر

یاں بھی نشانِ ماتمِ شبیرؑ سے ہے نور
ہے داغِ عشق زینتِ جیبِ کفن ہنوز

غالب

یک قلم کاغذِ آتش زدہ ہے صفحۂ دشت
نقشِ پا میں ہے تپِ گرمیٔ رفتار ہنوز

اختر

کس قدر تیز چلایا گیا عابدؑ کو نہ پوچھ
نقشِ پا میں ہے، تپِ گرمیٔ رفتار ہنوز

غالب

وسعتِ سعیِ کرم دیکھ کہ سر تا سرِ خاک
گذرے ہے آبلہ پا ابرِ گہر بار ہنوز

اختر

کوفہ و شام سے سجادؑ کا ماتم کرتے
گذرے ہے آبلہ پا، ابرِ گہر بار ہنوز



غالب

جگر تشنۂ آزار تسلی نہ ہوا
جوئے خوں ہم نے بہائی بُنِ ہر خار کے پاس

دیکھ کر تجھ کو چمن بسکہ نمو کرتا ہے
خود بہ خود پہنچے ہے گل گوشۂ دستار کے پاس

اختر

ہاتھ کانٹوں کے گُلِ عشقِ علیؑ تک جو بڑھے
جوئے خوں ہم نے بہائی بُنِ ہر خار کے پاس

لے کے خوشبوئے ولا ہم جو چمن میں پہنچے
خود بہ خود پہنچے ہے گل گوشۂ دستار کے پاس

غالب

زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگِ خاموشی
یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانیِ شمع

جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو
نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانیِ شمع

جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے
اے ناتمامیِ نفسِ شعلہ بار حیف!

اختر

جو اٹھ گئے شبِ عاشور ان کے دل تھے سیاہ
یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانیِ شمع

جلا ہے خیمۂ شبیرؑ جب کہ آتش سے
نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانیِ شمع

خیمہ جلا حسینؑ کا ہم کیوں نہ جل گئے
اے ناتمامیِ نفسِ شعلہ بار حیف!



غالب	اختر
زخم پر چھڑکیں کہاں طفلانِ بے پروا نمک کیا مزہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک	کربلا والوں پہ پتھر پھینک کر کہتے تھے لوگ کیا مزہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک
شورِ جولاں تھا کنارِ بحر پر کس کا کہ آج گردِ ساحل ہے بہ زخمِ موجۂ دریا نمک	تشنہ لب یہ کون واپس علقمہ سے ہوگیا گردِ ساحل ہے بہ زخمِ موجۂ دریا نمک
چھوڑ کر جانا تنِ مجروحِ عاشق حیف ہے دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگے ہیں اعضا نمک	اس قدر شائق مصائب کے ہیں انصارِ حسینؑ دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگتے ہیں اعضا نمک
آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک	دل سے پیدا ہو سوائے غمِ شبیرؑ اگر آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک
دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ دیکھیں کیا گذرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک	عشقِ حیدرؑ میں مرے دل کو نجف بننا ہے دیکھیں کیا گذرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک
پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم میں بھی ہوں، ایک عنایت کی نظر ہونے تک	منحصر ہے جو اجل پر ترا دیدار علیؑ میں بھی ہوں، ایک عنایت کی نظر ہونے تک

غالب	اختر
یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل گرمیٔ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک	کوئی محفل ہو بہ جز بزمِ عزائے شبیرؑ گرمیٔ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک
غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک	صبحِ دیدارِ علیؑ تک میں رہوں گا زندہ شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک
دیکھنے میں ہیں گرچہ دو، پر ہیں یہ دونوں یار ایک وضع میں گو ہوئی دو سر، تیغ ہے ذوالفقار ایک	ایک ہیں حیدرؑ و نبیؐ، اپنی نظر کا فرق ہے دیکھنے میں ہیں گرچہ دو، پر ہیں یہ دونوں یار ایک



اختر	غالب
شوقِ ہوائے لطفِ علیؑ ایسے ظرف پر کاشانہ بسکہ تنگ ہے، غافل! ہوا نہ مانگ	برہم ہے بزمِ غنچہ بہ یک جنبشِ نشاط کاشانہ بسکہ تنگ ہے، غافل! ہوا نہ مانگ
کچھ بھی سہی، نہیں ہوں گنہگارِ اہلبیتؑ مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ	آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد مجھ سے مرے گنہ کا حساب، اے خدا نہ مانگ

غالب

ہے کس قدر ہلاکِ فریبِ وفائے گل
بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل

ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لئے بہار
میرا رقیب ہے نفسِ عطر ہائے گل

شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے
مینائے بے شراب و دلِ بے ہوائے گل

سطوت سے تیرے جلوۂ حسنِ غیور کی
خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادائے گل

اختر

میں گر گیا جو پاؤں پہ ہنسنے لگے علیؑ
بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل

عشقِ علیؑ میں سانس معطر ہے اس طرح
میرا رقیب ہے نفسِ عطر ہائے گل

روشن نہیں جو حبِ علیؑ سے دماغ و دل
مینائے بے شراب و دلِ بے ہوائے گل

یوں فاطمہؑ کے پھول لہو میں نہا گئے
خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادائے گل

غالبؔ

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم

اخترؔ

چاہے کچھ بھی ہو اندھیرا اس میں رہ سکتا نہیں
برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم

غالبؔ

دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسدؔ
جانتے ہیں سینۂ پرخوں کو زنداں خانہ ہم

اخترؔ

اپنا دل ہی بن گیا ہے جب سکینہؑ کا مزار
جانتے ہیں سینۂ پرخوں کو زنداں خانہ ہم

غالبؔ

بسکہ وہ چشم و چراغِ محفلِ اغیار ہے
چپکے چپکے جلتے ہیں جوں شمعِ ماتم خانہ ہم

اخترؔ

جب کبھی تنہائیوں میں کربلا یاد آئے ہے
چپکے چپکے جلتے ہیں جوں شمعِ ماتم خانہ ہم

غالبؔ

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

اخترؔ

ہے فیضِ ذکرِ بےکسیٔ شاہؑ کربلا
رکھ لی مرے خدا نے مری بےکسی کی شرم

غالبؔ

وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا
رکھ لیجو میرے دعویٔ وارستگی کی شرم

اخترؔ

آزاد ہوں کہ بندۂ حیدرؑ ہوں اے خدا
رکھ لیجو میرے دعویٔ وارستگی کی شرم

غالبؔ — اخترؔ

غالبؔ

کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

اخترؔ

کیا تعجب ہے علیؑ کو بھی برا کہتے ہیں لوگ
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

غالبؔ

دل میں آ جائے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے
اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں

اخترؔ

ہم تھے جب نالہ بر لب نام علیؑ لب پر تھا
اور پھر کون سے نالہ کو رسا کہتے ہیں

غالبؔ

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہلِ نظر، قبلہ نما کہتے ہیں

اخترؔ

اس سبب سے کہ ہوا کعبہ میں مظہر پیدا
قبلہ کو اہلِ نظر، قبلہ نما کہتے ہیں

غالبؔ

دیکھیے لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ
اس کی ہر بات پہ ہم نامِ خدا کہتے ہیں

اخترؔ

جس کو ادراکِ نصیری نے خدا مان لیا
اس کی ہر بات پہ ہم نامِ خدا کہتے ہیں

غالبؔ

وہ فراق اور وہ وصال کہاں
وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

اخترؔ

بعد عباسؑ بیبیوں کے لئے
وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

غالبؔ

فرصتِ کاروبارِ شوق کسے
ذوقِ نظارۂ جمال کہاں

اخترؔ

ہوش گم ہیں علیؑ کے جلوے میں
ذوقِ نظارۂ جمال کہاں

غالب	اختر
تھی وہ اک شخص کے تصوّر سے اب وہ رعنائیِ خیال کہاں	ذکر جنّت کا ہے نجف کا نہیں اب وہ رعنائیِ خیال کہاں
ایسا آساں نہیں لہو رونا دل میں طاقت جگر میں حال کہاں	روز و شب ہم حسینؑ پر روتے دل میں طاقت جگر میں حال کہاں
فکرِ دنیا میں سر کھپاتا ہوں میں کہاں اور یہ وبال کہاں	ذکرِ دنیا علیؑ کے ذکر کے ساتھ میں کہاں اور یہ وبال کہاں
مضمحل ہو گئے قویٰ غالب وہ عناصر میں اعتدال کہاں	انقلاب آیا بعد قتلِ حسینؑ وہ عناصر میں اعتدال کہاں
کس منہ سے شکر کیجئے اس لطفِ خاص کا پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں	تسکین دی علیؑ نے مجھے دل پہ رکھ کے ہاتھ پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں
خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم دل میں چھری چبھو مژہ گر خونچکاں نہیں	لازم یہ ہے حسینؑ کے غم میں لہو بہے دل میں چھری چبھو مژہ گر خونچکاں نہیں
پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی روح القدس اگرچہ مرا ہم زباں نہیں	مدحِ علیؑ میں روحِ عقیدت تو ایک ہے روح القدس اگرچہ "مرا" ہم زباں "نہیں"
حسرتِ لذتِ آزار رہی جاتی ہے جادۂ راہِ وفا جز دمِ شمشیر نہیں	کربلا والوں کے کردار سے معلوم ہوا جادۂ راہِ وفا جز دمِ شمشیر نہیں

غالب — اختر

غالب

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں

اختر

میرؔ تجھے معتقدِ شاہِ ولایت اختر
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں

غالب

آبرو کیا خاک اس گُل کی کہ گلشن میں نہیں
ہے گریباں ننگِ پیراہن جو دامن میں نہیں

اختر

عقلِ اوّل کی غلامی، عقلِ انساں کا شرف
آبرو کیا خاک اس گُل کی کہ گلشن میں نہیں

غالب

آبرو کیا خاک اس گُل کی کہ گلشن میں نہیں
ہے گریباں ننگِ پیراہن جو دامن میں نہیں

اختر

ماتمِ شبیرؑ میں جوشِ عقیدت کے سوا
ہے گریباں ننگِ پیراہن جو دامن میں نہیں

غالب

ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہِ آفتاب
ذرّے اس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں

اختر

بوترابی کا مکاں ہے مسکنِ صد آفتاب
ذرّے اسکے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں

غالب

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذّت زخمِ سوزن میں نہیں

اختر

ماتمِ شبیرؑ میں زخمی ہے سینہ دیکھ لے
غیر سمجھا ہے کہ لذّت زخمِ سوزن میں نہیں

غالب

بسکہ ہیں ہم اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے
جلوۂ گُل کے سوا، گرد اپنے مدفن میں نہیں

اختر

قبر میں بھی ہے بہارِ گلشنِ ذکرِ علیؑ
جلوۂ گُل کے سوا، گرد اپنے مدفن میں نہیں

غالب

قطرہ قطرہ اک ہیولیٰ ہے نئے ناسور کا
خوں بھی ذوقِ درد سے فارغ مرے تن میں نہیں

اختر

کربلا کا غم رگ و پے میں سرایت کر گیا
خوں بھی ذوقِ درد سے فارغ مرے تن میں نہیں

غالب

غرّۂ اوجِ بنائے عالمِ امکاں نہ ہو
اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن

اختر

پائے حیدرؑ کے وسیلے سے اگر ہٹ کر رہے
اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن

غالبؔ | اخترؔ

غالبؔ

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیئے
بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

اخترؔ

وقت جب تک ہے سنا تو نغمۂ حبِّ علیؑ
بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

غالبؔ

ظالم مرے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہ
ہے ہے خدا نکردہ تجھے بے وفا کہوں

اخترؔ

اے دل علیؑ کی یاد سے غافل نہیں ہے تو
ہے ہے خدا نکردہ تجھے بے وفا کہوں

غالبؔ

ہے تجلی تیری سامانِ وجود
ذرہ بے پرتوِ خورشید نہیں

اخترؔ

ذکرِ حیدرؑ سے منور ہے دماغ
ذرہ بے پرتوِ خورشید نہیں

غالبؔ

گردشِ رنگِ طرب سے ڈر ہے
غمِ محرومیِ جاوید نہیں

اخترؔ

غمِ شبیرؑ کی نعمت جو ملے
غمِ محرومیِ جاوید نہیں

غالبؔ

کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

اخترؔ

ہو نہ دم ساز اگر نامِ علیؑ
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

غالبؔ

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

اخترؔ

آؤں گا خدمتِ قائمؑ میں لحد سے اٹھ کر
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

غالبؔ

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

اخترؔ

علیؑ یاد آتی ہے مُہرِ نبوت
جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

غالبؔ

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

اخترؔ

علیؑ، آپ کی معرفت کے مسافر
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

غالب	اختر
ترے سرو قامت سے اک قدِ آدم قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں	جو حق کے مقابل میں آئے، ہم ان سے قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
تماشا کر اے محوِ آئینہ داری تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں	تجھے کیا خبر ہے نجف کے مسافر تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں
سراغِ تفِ نالہ لے داغِ دل سے کہ شب رَو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں	پتہ کیا نبیؐ، عرش تک کیسے پہنچے کہ شب رَو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں	جو تاثیرِ پائے علیؑ سے ہیں واقف تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں
شاہدِ ہستیٔ مطلق کی کمر ہے عالم لوگ کہتے ہیں کہ "ہے"، پر ہمیں منظور نہیں	حدِ ادراکِ بشر میں حدِ امکانِ علیؑ لوگ کہتے ہیں کہ "ہے"، پر ہمیں منظور نہیں
ذکر میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہیں غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں	کی ہے جب اس نے غلامِ شہِ مرداںؑ سے بگاڑ غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں
وعدۂ سیرِ گلستاں ہے خوشا طالعِ شوق مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں	خطِ شبیرؑ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں حبیبؑ مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں
حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں	تا میں رکوں تو نوحۂ شبیرؑ رک نہ جائے مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

غالب

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

پھر بے خودی میں بھول گیا راہِ کوئے یار
جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہلِ دہر کا
سمجھا ہوں دل پذیر متاعِ ہنر کو میں

ملتی ہے خوئے یار سے نار التہاب میں
کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب سے
ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں

وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے
جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب میں

کل کے لئے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوئے ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں

اختر

گم ہوں تجلیاتِ جنابِ امیرؑ میں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

میں ہوں غدیرِ خم کا مسافر، تو کیوں کہوں
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

ذکرِ ابوترابؑ سے فرصت نہیں ملی
جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں

میرا ہنر تو مدحِ علیؑ ہے اسی لئے
سمجھا ہوں دل پذیر متاعِ ہنر کو میں

ہوتا ہے جب عذاب بہ حکمِ ابوترابؑ
کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

اک منزلِ یقین ہے عرفانِ بوترابؑ
ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں

کس کے نصیب میں ہے یہ بجز عاشقِ حسینؑ
جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب میں

اے دل نہ کر خیالِ غلو اس جناب میں
یہ سوئے ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں

غالب	اختر
آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں	میری نظر حجابِ علیؑ مظہرِ صفات پیشِ نظر ہے "آئینہ" دائم نقاب میں
ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں	مولا لحد میں آئیں گے پھر کس طرح سے ہو گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں
رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں	لاشِ جواں پہ شاہ کو لاتا ہے یوں فرس نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں
اُتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں	اُتنا ہی میں علیؑ سے جدا جا رہا ہوں دور جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں
اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں	دیکھا علیؑ کو پھر بھی نہ دیکھے گئے علیؑ حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں
ہے مشتمل نمودِ صور پر وجودِ بحر یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں	اختر غلامِ ساقیٔ کوثر کے واسطے یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں
شرم اک ادائے ناز ہے اپنے سے ہی سہی ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں	صورت علیؑ کی دل میں ہے آنکھوں کو ہے تلاش ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں
ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں	دیدارِ مرتضیٰؑ کا جو دعویٰ کریں وہ لوگ ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

غالب	اختر
غالب ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست مشغولِ حق ہوں، بندگیِ بوتراب میں	ہیں عینِ حق علیؑ تو غلامی ہے میرا حق مشغولِ حق ہوں، بندگیِ بوتراب میں
تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں	مولا خرد کے قافلے راہوں میں رک گئے تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں
کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہلِ بزم ہو غم ہی جاں گداز تو غم خوار کیا کریں	سوزِ غمِ حسینؑ سے جانوں پہ بن گئی ہو غم ہی جاں گداز تو غم خوار کیا کریں
عشق و مزدوریِ عشرت گہِ خسرو کیا خوب ہم کو تسلیم نکو نامیِ فرہاد نہیں	ہو اگر عشقِ محمدؐ تو بڑی بات ہے یہ ہم کو تسلیم نکو نامیِ فرہاد نہیں
کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں	میں ہوں صحرا میں، تصور میں ہے بزمِ غدیر دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں
کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں	ایک کوچہ ہے نجف کا جسے کہتے ہیں بہشت یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں
وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں	غریب خانۂ مداح اور علیؑ کے قدم کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں	غمِ حسینؑ کے گلشن کا ایک پھول ہے بس یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

اختر	غالب
کہا جو لعل و گہر اشکِ ماتمِ شہؑ کو ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں	ترے جواہرِ طرفِ کلہ کو کیا دیکھیں ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں
نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں اثر میں یوم شہادت سے کچھ زیاد نہیں	نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں شبِ فراق سے روزِ جزا زیاد نہیں
شدید دھوپ میں نکلیں گے ماتمی دستے بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں	کوئی کہے کہ شبِ مہ میں کیا برائی ہے بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں
بہ فیضِ ذکرِ حسینؑ سب کی عقل صالح ہے "کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں"	کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں "کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں"
نجف کے رندوں کی خاکِ قدم ہے دامن میں گدائے کوچۂ میخانہ نامراد نہیں	علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب گدائے کوچۂ میخانہ نامراد نہیں
ازل سے ہے غمِ شبیرؑ اپنی طینت میں دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں	جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہمیں کیا کام ؟ دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں
"غدیر بھولنے والوں کو چھوڑیے اختر یہ کیا! کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں"	تم ان کے وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو غالب یہ کیا! کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں
تذکرہ اسپِ علمدار کا ہے ہم بھی مضموں کی ہوا باندھتے ہیں	تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں ہم بھی مضموں کی ہوا باندھتے ہیں

غالب — اختر

غالب
نشۂ رنگ سے ہے واشدِ گل
مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں

اختر
ہیں شہیدوں کے گریبان کھلے
مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں

غالب
غلطی ہائے مضامیں مت پوچھ
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

اختر
غمِ شبیرؑ اگر ہو شامل
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

غالب
سادہ پُرکار ہیں خوباں غالب
ہم سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں

اختر
جو علیؑ سے بھی وفا کر نہ سکے
ہم سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں

غالب
دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

اختر
میں دیکھتا ہوں آج بھی آلِ نبیؐ پہ ظلم
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

غالب
کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں، پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

اختر
دل کیوں نہ شق ہو سن کے مصیبت حسینؑ کی
انسان ہوں، پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

غالب
کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں، پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

اختر
حق مانگتا ہے ظرف مرا اے مئے غدیر
انسان ہوں، پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

غالب
یارب! زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

اختر
کہتی ہے ہر فضیلت مولا علیؑ یہی
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں"

غالب
حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں

اختر
جس کو علیؑ سے بغض ہو دوزخ میں وہ جلے
آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں

غالب	اختر
کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں	بکتا نہیں ہوں میں کہ علیؑ کا غلام ہوں لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں
رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ رتبہ میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں	میں بھی علیؑ کا اور محمدؐ کا ہوں غلام رتبہ میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں
کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لئے کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں	ہوں میں جو نقشِ پائے علیؑ پر جھکا ہوا، کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں؟
دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں	ہوتا تو سجدہ گاہِ ملک ہوتا یا علیؑ دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں

غالب	اختر
سب کہاں! کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں،	کربلا میں دیکھ کر قبروں کو یہ کہتا ہے دل خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں
یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں	تھیں شعورِ کربلا سے قبل، کچھ یادیں ضرور لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں
جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق میں یہ سمجھوں گا کہ، شمعیں دو فروزاں ہو گئیں	نزع کی ظلمت میں جب ہو گی نظر سوئے علیؑ میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں
واں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں	جب درِ حیدرؑ پہ اس نے یہ کہا "آ تو بھی بیٹھ" یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں

غالب — اختر

غالب

جاں فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا
سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہوگئیں

اختر

زندگی پائی اٹھایا جب علَم عباسؑ کا
سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہوگئیں

غالب

یوں ہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں!
دیکھنا اِن بستیوں کو تم، کہ ویراں ہوگئیں

اختر

جس جگہ اہلِ حرم کے قافلے کو دکھ ملے
دیکھنا اُن بستیوں کو تم، کہ ویراں ہوگئیں

غالب

مزے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
سوائے خونِ جگر، سو جگر میں خاک نہیں

اختر

علیؑ کے عشق میں ملتا ہے وہ مزا اخترؔ
مزے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں

غالب

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے؟
کہ غیرِ جلوۂ گل رہ گذر میں خاک نہیں

اختر

حسینؑ سرخ قبا کیا ادھر سے گذرے ہیں
کہ غیرِ جلوۂ گل رہ گذر میں خاک نہیں

غالب

بھلا اُسے نہ سہی کچھ مجھی کو رحم آتا
اثر مرے نفسِ بے اثر میں خاک نہیں

اختر

علیؑ کے عشق نے زندہ رکھا ہے مجھے ورنہ
اثر مرے نفسِ بے اثر میں خاک نہیں

غالب

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں؟
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں رلائے کیوں؟

اختر

سُن کر مصیبتِ حسینؑ، آنکھ نہ خوں بہائے کیوں
دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

غالب

دیر نہیں حرم نہیں، در نہیں آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہ گذر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں؟

اختر

ہے یہ علیؑ کا راستہ نقشِ قدم کو چومتے
بیٹھے ہیں رہ گذر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں

غالب

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

اختر

آپ کے غم میں اے حسینؑ موت نجات کی دلیل
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

اختر	غالب
غیب میں ہے مرا امام حسرتِ دید دل میں ہے راہ میں ہم ملے کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں	واں وہ غرورِ عز و ناز یاں یہ حجابِ پاسِ وضع راہ میں ہم ملے کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں
عقل کے شہر میں بھی ہے کوچۂ دشمنِ علیؑ جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں	ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں
ہو نہ اگر غمِ حسینؑ لاکھ مصیبتیں سہی روئیے زار زار کیا، کیجئے ہائے ہائے کیوں	غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں روئیے زار زار کیا، کیجئے ہائے ہائے کیوں
غمِ شبیرؑ میں زخموں کی سوزش راحتِ جاں ہے نہیں ہے زخم کوئی بخیے کے درخور مرے تن میں	نہیں ہے زخم کوئی بخیے کے درخور مرے تن میں ہوا ہے تارِ اشکِ یاس رشتہ چشمِ سوزن میں
علیؑ کے آفتابِ رخ سے روشن ہے نظر جیسے پر افشاں جوہر آئینے میں، مثلِ ذرہ روزن میں	ہوئے اس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے پر افشاں جوہر آئینے میں، مثلِ ذرہ روزن میں
غمِ شبیرؑ میں اخترؔ لباسِ غم بھی لازم ہے سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں	ہزاروں دل دیئے جوشِ جنونِ عشق نے مجھکو سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں
تھی آرزوئے دیدِ علیؑ وقتِ واپسیں دیکھا تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں	دل کو نیازِ حسرتِ دیدار کر چکے دیکھا تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں
دل کو غمِ حسینؑ میں یہ اعتراف ہے طاقت بہ قدرِ لذتِ آزار بھی نہیں	بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یہاں طاقت بہ قدرِ لذتِ آزار بھی نہیں

غالبؔ

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبالِ دوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

دل میں ہے یار کی صفِ مژگاں سے روکشی
حالانکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہیں

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دیکھا اسدؔ کو خلوت و جلوت میں بارہا
دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

پرسشِ طرزِ دلبری کیجئے کیا کہ بن کہے
اس کے ہر اک اشارے سے نکلے ہے یہ ادا کہ یوں

بزم میں اس کے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھیے
اس کی تو خامشی میں بھی ہے یہی مدعا کہ یوں

مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح
دیکھ کے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یوں

کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی
آئینہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پا کہ یوں

اخترؔ

رکھتا کوئی حسینؑ کے لاشے کو چھاؤں میں
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

عابدؑ نہیں ہیں طوق پہن کر بھی مضطرب
حالانکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہیں

اصغرؑ کی جنگ دیکھ کے حیراں ہے کائنات
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

سودا غمِ حسینؑ کا جنت سے جو کرے
دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

رازِ تلافیِ خطا، پوچھیے حرؑ سے کیا ضرور
اس کے ہر اک اشارے سے نکلے ہے یہ ادا کہ یوں

اپنا امام ہے خموش ظلم پہ ہم بھی ہیں خموش
اس کی تو خامشی میں بھی ہے یہی مدعا کہ یوں

مستِ ولا تھا، تا نجف فکر تھی اک سلام جائے
دیکھ کے میری بے خودی چلنے لگی ہوا کہ یوں

پائے علیؑ کی منقبت کیسے کروں یہ تھا سوال
آئینہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پا کہ یوں

غالبؔ — اخترؔ

غالبؔ

"جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کہ ہو رشکِ فارسی
گفتۂ غالبؔ ایکبار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں"

اخترؔ

اس میں جو شک کرے کہ وہ بندۂ بوتراب تھا
گفتۂ غالبؔ ایکبار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

غالبؔ

زمانہ سخت کم آزار ہے بجانِ اسد
وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

اخترؔ

بہ مصلحت ہیں کراماتِ بندگانِ علیؑ
وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

غالبؔ

لوں دامِ بخت خفتہ سے ایک خوابِ خوش ولے
غالبؔ یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

اخترؔ

حق شاہِ کربلا کا بہت ہے حیات کم
غالبؔ یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

غالبؔ

غالبؔ ہے رتبہ فہم تصوّر سے کچھ پرے
ہے عجزِ بندگی جو علیؑ کو خدا کہوں

اخترؔ

غالبؔ نے جو کہا ہے وہی میرے دل میں ہے
ہے عجزِ بندگی جو علیؑ کو خدا کہوں

غالبؔ

دورانِ سر سے گردشِ ساغر ہے متصل
خم خانۂ جنوں میں دماغِ رسیدہ ہوں

اخترؔ

سودا علیؑ کا سر میں زباں پر علیؑ کا نام
خم خانۂ جنوں میں دماغِ رسیدہ ہوں

غالبؔ

شمع ہوں تو بزم میں جا پاؤں غالبؔ کی طرح
بے محل اے مجلسِ آرائے نجف جلتا ہوں میں

اخترؔ

تیرے روضہ میں بہ رنگِ شمع مل جائے مقام
بے محل اے مجلس آرائے نجف جلتا ہوں میں

غالبؔ

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
مہرِ گردوں ہے چراغِ رہ گذارِ بادیاں

اخترؔ

ہم غلامانِ علیؑ صد شمس در سینہ ہیں خود
مہر گردوں ہے چراغِ رہ گذارِ بادیاں

غالبؔ

ہے وطن سے باہر اہلِ دل کی قدر و منزلت
عزلت آبادِ صدف میں قیمتِ گوہر نہیں

اخترؔ

میرے سینے میں کہاں دل دے چکا شبیرؑ کو
عزلت آبادِ صدف میں قیمتِ گوہر نہیں

غالب	اختر
کب تلک پیچھے اسدؔ لب ہائے تفتہ بر زباں طاقتِ لب تشنگی اے ساقیِ کوثر نہیں	مجھ کو ساغر میرے حصہ کا عطا ہو جائے اب طاقتِ لب تشنگی اے ساقیِ کوثر نہیں
ہو سکے کب کلفتِ دل مانعِ طوفانِ اشک گردِ ساحل سنگِ راہِ جوششِ دریا نہیں	فوج کیا عباسؑ کے سیلِ وغا کو روکتی گردِ ساحل سنگِ راہِ جوششِ دریا نہیں
ہے طلسمِ دہر میں صد حشرِ پاداشِ عمل آگہی غافل کہ یک امروزِ بے فردا نہیں	کل علیؑ کا سامنا ہے آج اتنا یاد رکھ آگہی غافل کہ یک امروزِ بے فردا نہیں
برشگالِ گریۂ عاشق ہے دیکھا چاہیے کھل گئی مانندِ گل سو جا سے دیوارِ چمن	جب گلستاں میں ہوا مولودِ کعبہ کا بیاں کھل گئی مانندِ گل سو جا سے دیوارِ چمن
جائیکہ پائے سیلِ بلا درمیاں نہیں دیوانگاں کو واں ہوسِ خانماں نہیں	ہم عاشقِ حسینؑ ہیں ہم کو نہیں پسند جائیکہ پائے سیلِ بلا درمیاں نہیں
مگر آتش ہمارا کوکبِ اقبال چمکائے وگرنہ مثلِ خارِ خشک مردودِ گلستاں ہیں	علیؑ کے عشق میں سرسبز جو ہیں جزوِ گلشن ہیں وگرنہ مثلِ خارِ خشک مردودِ گلستاں ہیں
نہیں کرنے کا میں تقریر ادب سے باہر میں بھی ہوں واقفِ اسرار کہوں یا نہ کہوں	یا علیؑ خوف ہے کج فہمیِ دنیا کا مجھے میں بھی ہوں واقفِ اسرار کہوں یا نہ کہوں
میں تو دیوانہ ہوں اور ایک جہاں ہے غماز گوش ہیں در پسِ دیوار کہوں یا نہ کہوں	راز ہی راز ہیں عرفانِ علیؑ کی باتیں گوش ہیں در پسِ دیوار کہوں یا نہ کہوں

غالب

ہوں دردمند جبر ہو یا اختیار ہو
گہ نالۂ کشیدہ ، گہ اشکِ چکیدہ ہوں

ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ
ہوں میں کلامِ نغز مگر ناشنیدہ ہوں

ہووے ہے جادہ رہ رشتۂ گوہر ہر گام
جس گذرگاہ میں میں آبلہ پا گذرا ہوں

اختر

خالی غمِ حسینؑ سے لمحہ نہیں کوئی
گہ نالۂ کشیدہ ، گہ اشکِ چکیدہ ہوں

کب کر سکا میں ذکرِ علیؑ حبِ معرفت
ہوں میں کلامِ نغز مگر ناشنیدہ ہوں

یاد آتا تھا وہاں قافلۂ اہلِ حرم
جس گذرگاہ میں میں آبلہ پا گذرا ہوں

غالبؔ

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرمِ تماشا ہو
کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

بہ قیدِ حسرت دل چاہیئے ذوقِ معاصی بھی
بھروں یک گوشۂ دامن جو آبِ ہفت دریا ہو

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا
ہے دل پہ بار نقشِ محبت ہی کیوں نہ ہو

ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ
ہر چند بر سبیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو

اختر

انعامِ حبِ حیدرؑ مقدر اگر نہیں
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

اے کوتاہ بیں سوئے علیؑ نظریں اٹھا اپنی
کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

غمِ شبیرؑ کے اشکوں سے نم ہو کر یہ وسعت ہے
بھروں یک گوشۂ دامن جو آبِ ہفت دریا ہو

ہم سے علیؑ کے ربط کی یہ بھی ہے اک دلیل
کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

نسبت نہیں علیؑ سے تو کچھ بھی نہیں قبول
ہے دل پہ بار نقشِ محبت ہی کیوں نہ ہو

ذکرِ علیؑ میں تذکرۂ غیر کیا ضرور
ہر چند بر سبیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو

غالب	اختر
ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو	مدحِ علیؑ میں وسعتِ فکر و نظر نہ پوچھ ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو
مٹتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو	بے حُبِ اہلِ بیتؑ عبث جانتے ہیں ہم عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو
اس فتنہ خو کے در سے اب اٹھتے نہیں اسدؔ اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو	ہم ماتمِ حسینؑ سے رکتے نہیں کبھی اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو
قفس میں ہوں گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو مرا ہونا برا کیا ہے نوا سنجانِ گلشن کو	علیؑ کا نغمۂ الفت بہارِ بے خزاں ٹھہرا مرا ہونا برا کیا ہے نوا سنجانِ گلشن کو
ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں نہیں دیکھا شناور جوئے خوں میں تیرے توسن کو	علیؑ کے شیر دنیا نے لبِ دریا تجھے دیکھا نہیں دیکھا شناور جوئے خوں میں تیرے توسن کو
خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برق خرمن کو	چمک نورِ علیؑ کی طور پر جب تک سبھی ہیں تو سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برق خرمن کو
وفاداری بہ شرطِ استواری اصلِ ایماں ہے مرے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو	اگر مولودِ کعبہ سے عقیدت اسکی ثابت ہے مرے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو
شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خو مجھکو جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو	درسِ شبیرؑ کا تسلیم کی راہوں پہ چلتا تھا جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

اختر	غالب
علیؑ کے عشق کا جو ہر سبب ہے بے نیازی کا جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو	سخن کیا کہہ نہیں سکتے کہ جویا ہوں جواہر کے جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو
علیؑ کا ذکر کیا کیجے غلاموں سے نہیں نسبت فریدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو	مرے شاہِ سلیماں جاہ سے نسبت نہیں غالب فریدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو
دل یہ کہتا ہے کہ اس منزل پہ ہو ذکرِ علیؑ ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو	رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
غربتِ اہلِ حرم یاد آ گئی تیرے لئے کوئی ہم سایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو	بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیئے کوئی ہم سایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
علیؑ دل میں نہ ہو تو دل ہے پتھر پھر سخن کیسا؟ نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو	کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو
تمہارے تابعِ فرماں ہیں جب ارض و سماں مولاؑ ہوے تم دوست جس کے دشمن اسکا آسماں کیوں ہو	یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے ہوے تم دوست جس کے دشمن اسکا آسماں کیوں ہو
امام منتظرؑ اب تا کجا پردہ رہے حائل کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو	یہ کہہ سکتے ہو؟ "ہم دل میں نہیں ہیں" پر یہ بتلاؤ کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو
کششِ ثابت غمِ شبیرؑ کی ہے تم ہی رُکتے ہو نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو	غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

غالب	اختر
مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دُور دُور تن سے سوا فگار ہیں اِس خستہ تن کے پانو	ذرّوں کے گو نشان ہیں عابدؑ کے جسم پر تن سے سوا فگار ہیں اُس خستہ تن کے پانو
ہے جوشِ گُل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف اُڑتے ہوئے اُلجھتے ہیں مرغِ چمن کے پانو	زنجیرِ پائے عابدِ بیمار یاد ہے اُڑتے ہوئے اُلجھتے ہیں مرغِ چمن کے پانو
اللہ رے ذوقِ دشت نوردی کہ بعدِ مرگ ہلتے ہیں خود بہ خود مرے اندر کفن کے پانو	تا میں علیؑ کے واسطے تعظیم کو اٹھوں ہلتے ہیں خود بہ خود مرے اندر کفن کے پانو
گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیوں کر ہو کہے سے کچھ نہ ہوا، پھر کہو، تو کیوں کر ہو	بہ فیضِ عشقِ علیؑ مل گئی زباں دل کو گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیوں کر ہو
ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیوں کر ہو	کسی بھی طرح کٹھن ہے علیؑ سے ربط کی بات کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیوں کر ہو
اَدب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے حیا ہے اور یہی گومگو تو کیوں کر ہو	"مدد کہ" عرضِ غمِ دل "میں یا علیؑ ہم کو حیا ہے اور یہی گومگو" کہ کیوں کر ہو
اُلجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیوں کر ہو	ہیں تم سے ذکرِ علیؑ سن کے ہوش گم اختر جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیوں کر ہو
جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیوں کر ہو	بہ فیضِ ذکرِ علیؑ جس کی شب ہے نورانی وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیوں کر ہو

غالب | اختر

غالب

غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا
نہ مانے دیدۂ دیدار جو، تو کیوں کر ہو

اختر

علیؑ کی دید تو موقوف اپنے وقت پہ ہے
نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیوں کر ہو

غالب

دل کو میں اور مجھے دل محو وفا رکھتا ہے
کس قدر ذوقِ گرفتاری ہم ہے ہم کو

اختر

غم شبیر کا فیضان، زمانہ دیکھے
کس قدر ذوقِ گرفتاری ہم ہے ہم کو

غالب

رشک ہے ہم طرحی و دردِ اثر بانگِ حزیں
نالۂ مرغِ سحر تیغِ دو دم ہے ہم کو

اختر

ہے جو انیسویں رمضاں کی سحر یاد ہمیں
نالۂ مرغِ سحر تیغِ دو دم ہے ہم کو

غالب

مقطعِ سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر
عزمِ سیرِ نجف و طوافِ حرم ہے ہم کو

اختر

مرقد و مولدِ حیدرؑ ہے اسی کے باعث
عزمِ سیرِ نجف و طوافِ حرم ہے ہم کو

غالب

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

اختر

ہم مطمئن ہیں ہم کو علیؑ سے ہے ربطِ خاص
تم جانو تم کو غیر سے جو رسم راہ ہو

غالب

کیا وہ بھی بے گنہ کش و حق ناسپاس ہیں
مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو

اختر

ان کو بھی کب اطاعتِ حیدرؑ سے ہے مفر
مانا کہ تم بشر نہیں "خورشید و ماہ" ہو

غالب

جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو

اختر

ذکرِ علیؑ کے واسطے کب ہے مکاں کی قید
مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو

غالب

سنتے جو ہیں بہشت کی تعریف سب درست
لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

اختر

مولاؑ، بہت حسین سہی آدمی کا دل
لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو



غالب

اختر

شبِ وصال میں مونس گیا ہے بن تکیہ
ہوا ہے موجبِ آرامِ جان و تن تکیہ

ہے سر جو زانوئے شبیرؑ پر قمرؑ کے لئے
ہوا ہے موجبِ آرامِ جان و تن تکیہ

یہ رات بھر کا ہے ہنگامہ صبح ہونے تک
رکھو نہ شمع پر اے اہلِ انجمن تکیہ

علیؑ کے ذکر سے مجلس میں نور پھیلے گا
رکھو نہ شمع پر اے اہلِ انجمن تکیہ

شبِ فراق میں یہ حال ہے اذیت کا
کہ سانپ فرش ہے اور سانپ کا ہے پھن تکیہ

ہے آج شامِ غریباں، زمیں پہ سوؤں گا
کہ سانپ فرش ہے اور سانپ کا ہے پھن تکیہ

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ
طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ

عکسِ جمالِ حیدرؑ صفدر کے واسطے
از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ

ہے سبزہ زار ہر در و دیوارِ غم کدہ
جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ

بے شیر تیر کھا کے لہو میں نہا گیا
جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ

کوئی آگاہ نہیں باطنِ ہم دیگر سے
ہے ہر اک فرد جہاں میں ورقِ ناخواندہ

باطن آگاہ تو حیدرؑ ہیں ہمارے حق میں
ہے ہر اک فرد جہاں میں ورقِ ناخواندہ

غالبؔ

کی ہے وا اہلِ جہاں نے بہ گلستانِ جہاں
چشمِ غفلت نظرِ شبنم خورنا دیدہ

شکوہ و شکر کو ثمر بیم و امید کا سمجھ
خانۂ آگہی خراب دل نہ سمجھ بلا سمجھ

گاہ بہ خلد امیدوار، گہ بہ جحیم بیمناک
گرچہ خدا کی یاد ہے کلفتِ ماسوا سمجھ

اخترؔ

تابِ تنویرِ علیؑ کیا ہو کہ ہے چشمِ بشر
چشمِ غفلت نظرِ شبنم خورنا دیدہ

تجھ کو لا ہے دل اگر منحرفِ ابوترابؑ
خانۂ آگہی خراب دل نہ سمجھ بلا سمجھ

ہو نہ اگر نماز میں آلِ رسولؐ پر درود
گرچہ خدا کی یاد ہے کلفتِ ماسوا سمجھ



اختر	غالب
تیرے دل کو جب غمِ شبیرؑ سے نسبت نہ تھی تو نے پھر کیوں کی تھی میری غم گساری ہائے ہائے	تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ تو نے پھر کیوں کی تھی میری غم گساری ہائے ہائے
تا ابد شبیرؑ پر رونے کی خواہش ہے مگر عمر کو بھی تو نہیں ہے پائیداری ہائے ہائے	عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا عمر کو بھی تو نہیں ہے پائیداری ہائے ہائے
کیا کمالاتِ علیؑ کا اس سے ممکن ہو شمار ہے نظر خو کردۂ اختر شماری ہائے ہائے	کس طرح کاٹے کوئی شب ہائے تارِ برشگال ہے نظر خو کردۂ اختر شماری ہائے ہائے
دشمنِ حیدرؑ نے کچھ اس میں اضافہ کر لیا رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ہائے ہائے	عشق نے پکڑا نہ تھا غالب! ابھی وحشت کا رنگ رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ہائے ہائے
حسنِ علیؑ سے موت کے لمحے چمک اٹھے صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے	صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے
مولاؑ زباں کو تابِ تشکر کہاں مگر! ہر مو مرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے	کیجے بیاں سرورِ تپِ غم کہاں تلک ہر مو مرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے

اختر	غالب
کیسے علیؑ کا ہو جسے توفیقِ حق نہ ہو ہر چند اس کے پاس دلِ حق شناس ہے	ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانۂ وفا ہر چند اس کے پاس دلِ حق شناس ہے
جو دشمنِ علیؑ ہے وہ دوزخ میں جائے گا اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے	پی جس قدر ملے شبِ مہتاب میں شراب اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے
کج قلب کب مقامِ علیؑ کو سمجھ سکے خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے	گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے
دل اور عزمِ منزلِ عرفانِ اہلبیتؑ اے شوقِ منفعل تجھے یہ کیا خیال ہے	ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی اے شوقِ منفعل تجھے یہ کیا خیال ہے
پیاسے رہے حسینؑ کے بچے لبِ فرات دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے	وحشت پہ میری عرصۂ آفاق تنگ تھا دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے
بچنا محال ہے جو علیؑ کی مدد نہ ہو عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے	ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے
ہتیار حرؑ نے کھول دیئے قبلِ عرضِ حال ہاں کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہیئے	دے داد اے فلک دلِ حسرت پرست کی ہاں کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہیئے
مولاؑ کو دیکھنے کے لئے موت ہی سہی تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیئے	سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوری تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیئے

غالب	اختر
مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو اک گونہ بےخودی مجھے دن رات چاہیئے	کرتی ہے عقل جلوۂ حیدرؑ کی آرزو اک گونہ بےخودی مجھے دن رات چاہیئے
ہے رنگِ لالہ و گُل و نسریں جدا جدا ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیئے	گُل ہیں اصولِ دیں تو ولایت بہار ہے ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیئے
سر پائے خم پہ چاہیئے ہنگامِ بےخودی رُو سُوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہیئے	دل میں ولائے آلِ پیمبرؐ کے ساتھ ساتھ رُو سُوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہیئے
یعنی بہ حسبِ گردشِ پیمانۂ صفات عارف ہمیشہ مستِ مئے ذات چاہیئے	پیمانۂ صفاتِ خدا ہے علیؑ کی "ذات" عارف ہمیشہ مستِ مئے ذات چاہیئے
ہوئے اس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے تکلف برطرف تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی	مصیبت پر علیؑ کی عقلِ سلماںؓ کو ہنسی آتی تکلف برطرف تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی
نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی	غمِ شبیرؑ کے زخموں پہ مرہم مت لگا ہمدم کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی
نہ اتنا بُرشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ مرے دریائے بےتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی	غمِ شبیرؑ کے سیلاب میں دل ہے لہو اپنا مرے دریائے بےتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی
جی جلے ذوقِ فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں ہم نہیں جلتے نفس ہرچند آتش بار ہے	گرمیِ بزمِ عزا سے دل کو اک تسکین ہے ہم نہیں جلتے نفس ہرچند آتشی بار ہے

غالب	اختر
آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا ہر کوئی درماندگی میں نالہ سے ناچار ہے	بے کسی اک مرحلہ ہے جز غلامانِ علیؑ ہر کوئی درماندگی میں نالہ سے ناچار ہے
ہے وہی بدمستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ جس کے جلوے سے زمیں تا آسماں سرشار ہے	اس علیؑ کو دیکھ کر ہم مست و بیخود ہیں کہ کیا جس کے جلوے سے زمیں تا آسماں سرشار ہے
مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے	اب حدِ آخر پہ ہے دیدارِ حیدرؑ کی تڑپ زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے
آنکھ کی تصویر سرنامہ پہ کھینچی ہے کہ تا تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے	عین تیرے نام پر میں یا علیؑ لکھتا ہوں تا تجھ پہ کھل جائے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے
مری ہستی فضائے حیرت آبادِ تمنا ہے جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے	مرا سب کچھ علیؑ ہے اور علیؑ خود خالقِ حیرت مری ہستی فضائے حیرت آبادِ تمنا ہے
وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم اثر فریادِ دل ہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے	اثر شبیرؑ کے غم کا جو ظاہر ہے بہت کم ہے اثر فریادِ دل ہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے
ہے دورِ قدح وجہِ پریشانیٔ صہبا اک بار لگا دو خمِ مے میرے لبوں سے	ہو مے جو ولا کی تو بلا نوش ہیں ہم بھی اک بار لگا دو خمِ مے میرے لبوں سے
وسعت گاہِ دیدۂ خوں بارِ مجنوں دیکھنا یک بیاباں جلوۂ گل فرشِ پا انداز ہے	وہ بہارِ بے خزاں آئی بعنوانِ غدیر یک بیاباں جلوۂ گل فرشِ پا انداز ہے

غالب — اختر

غالب

لپٹنا پرنیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے
ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوزِ غم چھپانے کی

اختر

غمِ شبیرؑ میں آساں ہے انساں کو لہو رونا
ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوزِ غم چھپانے کی

غالب

کہوں کیا خوبیِ اوضاعِ ابنائے زماں غالب
بدی کی اس نے جس سے کی تھی ہم نے بارہا نیکی

اختر

علیؑ سے ربطِ خالص کا اثر یوں بھی ہوا ظاہر
بدی کی اس نے جس سے کی تھی ہم نے بارہا نیکی

غالب

کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہان ہے
جس میں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

اختر

زیرِ نگیں علیؑ کے اک ایسا جہان ہے
جس میں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

غالب

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرّے میں جان ہے

اختر

حُبِّ علیؑ کے فیض سے ہے گرمیِ حیات
پرتو سے آفتاب کے ذرّے میں جان ہے

غالب

کی اس نے گرم سینۂ اہلِ ہوس میں جا
آئے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے

اختر

ہے خنکیِ جمالِ علیؑ میری قبر میں
آئے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے

غالب

کیا خوب! تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو، ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

اختر

کیوں کہہ رہے ہو خود کو طرفدارِ اہلبیتؑ
بس چپ رہو، ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

غالب

ہے بارے اعتمادِ وفاداری اس قدر
غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہرباں ہے

اختر

دنیا پہ مہرباں سہی دشمنِ علیؑ
غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہرباں ہے

غالب

دل ہی تو ہے سیاستِ درباں سے ڈر گیا
میں اور جاؤں در سے ترے بن صدا کئے

اختر

کہتا ہوں در پہ آ کے ترے یا علیؑ مدد
میں اور جاؤں در سے ترے بن صدا کئے

غالب — اختر

غالب
مقدور ہو تو خاک سے پوچھیں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

اختر
اسلام یہ بتا کہ علیؑ سے ملے تھے جو
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

غالب
کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدو؟
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کئے

اختر
ظاہر ہوا جو اس میں ہے سودائے اہلبیتؑ
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کئے

غالب
غالب تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا
مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے

اختر
کج فہم کب علیؑ کی بلندی سمجھ سکے
مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے

غالب
دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

اختر
پائے حیدرؑ سے جبینِ شوق کو عزت ملی،
دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے

غالب
دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

اختر
جس کے جلوہ کی جھلک سے ہوش موسیٰ کے اُڑے
میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

غالب
شوق کی یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے
دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے

اختر
اشک رک جائیں غم شبرؑ میں تو آنکھیں پھوٹ جائیں
دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے

غالب
ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک ہو گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

اختر
عشقِ حیدرؑ کے سفر میں فکرِ منزل کے سبب
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

غالب
نقش کو اس کے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں
کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھنچتا جائے ہے

اختر
ہے دلِ انساں کا یہ عالم کہ دردِ کربلا
کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھنچتا جائے ہے

غالب — اختر

غالب

میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی
اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی

اختر

غمِ شبیرؑ میں رو لے غافل
اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی

غالب

عمر ہر چند کہ ہے برق خرام
دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی

اختر

عمر کم ہے غمِ شبیرؑ بہت
دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی

غالب

ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں
نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

اختر

تم سے مطلب کہ علیؑ سے ہم کو؟
نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

غالب

ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے
صبحِ وطن ہے خندۂ دنداں نما مجھے

اختر

آنکھوں میں ہے جو شامِ غریبانِ کربلا
صبحِ وطن ہے خندۂ دنداں نما مجھے

غالب

کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں
آنے لگی ہے نکہتِ گل سے حیا مجھے

اختر

انساں کے ہاتھ گلشنِ زہراؑ خزاں ہوا
آنے لگی ہے نکہتِ گل سے حیا مجھے

غالب

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

اختر

ہے جب علیؑ کی مدح، تو میں کس لئے کہوں
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

غالب

ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا
عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

اختر

لمسِ گہوارۂ شبیرؑ پہ فطرس نے کہا
عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

غالب

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

اختر

جب خیال انگیز باتیں مدحِ حیدرؑ میں ہوئیں
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

غالب — اختر

رنج رہ کیوں کھینچیے واماندگی کو عشق ہے
اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے

منزلِ عشقِ علیؑ سے کون واپس آئے گا
اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے

ہے دلِ شوریدۂ غالب طلسمِ پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

اے علیؑ کو بھولنے والے تجھے جنت کا شوق
رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

رفتارِ عمر قطعِ رہِ اضطراب ہے
اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

دل مضطرب ہے جلوۂ حیدرؑ کے واسطے
رفتارِ عمر قطعِ رہِ اضطراب ہے

زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا
نے بھاگنے کی گوں ہے نہ قامت کی تاب ہے

عباسؑ کے جلال سے سہمی ہوئی ہے فوج
نے بھاگنے کی گوں ہے نہ قامت کی تاب ہے

جاداد بادہ نوشیٔ رنداں ہے شش جہت
غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے

ہم بوترابیوں کو زمیں بھی پسند ہے
غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے

میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں
مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے

اے دل خیبرِ جلوۂ حیدرؑ نظر کہاں
مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذتِ فراغ
تکلیفِ پردہ داریٔ زخمِ جگر گئی

ہوتا ہے کھل کے ماتمِ شبیرؑ جا بہ جا
تکلیف "پردہ داریٔ" زخمِ جگر گئی

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

ہیں کم نظر بھی مدعیٔ رویتِ علیؑ
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

غالبؔ — اخترؔ

غالبؔ

کوئی دن گر زندگانی اور ہے
ہم نے اپنے جی میں ٹھانی اور ہے

اخترؔ

وہ بھی گذرے گی علیؑ کے ذکر میں
کوئی دن گر زندگانی اور ہے

غالبؔ

آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں
سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے

اخترؔ

کربلا پر ہیں جو آنسو ان کے ساتھ
سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے

غالبؔ

قاطعِ اعمار ہیں اکثر نجوم
وہ بلائے آسمانی اور ہے

اخترؔ

ہے جو انکارِ ولایت کی سزا
وہ بلائے آسمانی اور ہے

غالبؔ

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

اخترؔ

دشمنِ حیدرؑ نے پائی ہر سزا
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

غالبؔ

غنچہ تا شگفتن ہا برگِ عافیت معلوم
باوجودِ دل جمعی خوابِ گُل پریشاں ہے

اخترؔ

کربلا میں بکھرے ہیں گُل جو باغِ زہراؑ کے
باوجودِ دل جمعی خوابِ گُل پریشاں ہے

غالبؔ

ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم
ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جس قدر ملے

اخترؔ

سمجھا ہے روز مے کو جو حبِ اہلبیتؑ
ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جس قدر ملے

غالبؔ

لازم نہیں کہ خضرؑ کی ہم پیروی کریں
مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

اخترؔ

راہِ علیؑ میں پیروِ جبریلؑ ہم نہیں
مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

غالبؔ

اے ساکنانِ کوچۂ دلدار دیکھنا
تم کو کہیں جو غالبِ آشفتہ سر ملے

اخترؔ

کہنا مرا سلام کہ تھا بندۂ علیؑ
تم کو کہیں جو غالبِ آشفتہ سر ملے

غالب	اختر
کوئی اُمید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی	گر سہارا ملے نہ حیدرؑ کا کوئی اُمید بر نہیں آتی
کوئی اُمید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی	ظلمتِ نزع میں علیؑ کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا ایک دن معیّن ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی	اے سکینہؑ کہو حسینؑ کے بعد نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی	کربلا کے سوا بھی غم ہیں کئی پر طبیعت ادھر نہیں آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی	کوئی سمجھے تو ہو علیؑ کی بات ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی	عشقِ حیدرؑ میں گم ہیں یوں کہ ہمیں کچھ ہماری خبر نہیں آتی
مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی	ہم علیؑ کے غلام ہیں ہم کو موت آتی ہے پر نہیں آتی
کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب شرم تم کو مگر نہیں آتی	خوفِ دوزخ، علیؑ کے عشق کیا تھ شرم تم کو مگر نہیں آتی

غالب	اختر
دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے	جستجوئے کمالِ ذاتِ علیؑ دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے	ہے سرِ عرش کس کی یہ آواز یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے	کربلا میں سبھی مسلماں ہیں پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے	ساری دنیا ہے زیرِ حکمِ نبیؐ ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے
ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے	کیسے سمجھیں گے منزلِ عباسؑ جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
"ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا" اور درویش کی صدا کیا ہے	فاطمہؑ دو حسینؑ کا صدقہ اور درویش کی صدا کیا ہے
جان تم پر نثار کرتا ہوں میں نہیں جانتا دعا کیا ہے	میرے وردِ زباں ہے نادِ علیؑ میں نہیں جانتا دعا کیا ہے
ہوں کشمکشِ نزع میں ہاں جذبِ محبت کچھ کہہ نہ سکوں پر وہ مجھے پوچھنے کو آئے	ہے عشقِ علیؑ میں یہ تمنا کہ سرِ مرگ کچھ کہہ نہ سکوں پر وہ سب مجھے پوچھنے کو آتے

اختر	غالب
اس اوّلِ مخلوق کا یوں شکلِ بشر میں آنا ہی تجھ میں مری آتا نہیں گو آئے	ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں گو آئے
ہم جانتے ہیں دل میں علیؑ ہیں کہ نہیں ہیں ہم سمجھے ہوئے ہیں اسے جس بھیس میں جو آئے	جلاد سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے ہم سمجھے ہوئے ہیں اسے جس بھیس میں جو آئے
ہم ڈھونڈھنے نکلے تھے علیؑ کو تو ہوا یوں دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے	ہاں اہلِ طلب کون سنے طعنۂ نایافت دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے
قلبِ اکبرؑ کا ذکر کر ذاکر سینہ جویائے زخمِ کاری ہے	پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے سینہ جویائے زخمِ کاری ہے
تا بہ امکاں علیؑ کی مدح ہوئی پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے	پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے سینہ جویائے زخمِ کاری ہے
خوں رلاتا ہے ماہِ غم کا چاند آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے	پھر جگر کھودنے لگا ناخن آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے
حبِ حیدرؑ سے ہو اگر خالی دل خریدارِ ذوقِ خواری ہے	چشم دلال، جنسِ رسوائی دل خریدارِ ذوقِ خواری ہے
کتنی صدیوں سے کربلا کے لئے وہی صد گونہ اشک باری ہے	وہی صد رنگ نالہ فرسائی وہی صد گونہ اشک باری ہے

اختر	غالب
دلِ سکینہؑ کا بعد قتلِ حسینؑ محشرستانِ بے قراری ہے	دل ہوائے خرامِ ناز سے پھر محشرستانِ بے قراری ہے
پھر محرّم کا چاند نکلا ہے پھر وہی زندگی ہماری ہے	پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں پھر وہی زندگی ہماری ہے
ہے مزارِ حسینؑ پر زینبؑ ایک فریاد و آہ و زاری ہے	پھر دیا پارۂ جگر نے سوال ایک فریاد و آہ و زاری ہے
ذکرِ حیدرؑ میں رُک رہی ہے زباں کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے	بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے
مری زندگی علیؑ ہے تو یہ بات کیسے کہہ دوں کہ مرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی	یونہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب ورنہ کہتا کہ مرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی
غمِ شبیرؑ کی لذّت اگر شامل نہ ہو اس میں نمک پاشِ خراشِ دل ہے لذّت زندگانی کی	جنوں تہمت کشِ تسکیں نہ ہو گر شادمانی کی نمک پاشِ خراشِ دل ہے لذت زندگانی کی
کیا ذاکر نے ایسے جوش سے ذکرِ غدیرِ خُم ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی	پرِ پروانہ شاید بادبانِ کشتیِ مے تھا ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی
کس طرح عارفینِ علیؑ کا شمار ہو جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے	بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

غالب	اختر
سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے	اہلِ حرم کے ساتھ رہی یادِ کربلا وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے
لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے	اے فاطمہؑ، حسینؑ کا ماتم نہ رک سکا ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے
ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے	آئی ہے یادِ شامِ غریبانِ کربلا ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے
گوہر کو عقدِ گردنِ خوباں میں دیکھنا کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے	اشکِ غمِ حسینؑ خریدیں گی فاطمہؑ کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے
دیدار بادہ، حوصلہ ساقی، نگاہ مست بزمِ خیال مے کدۂ بے خروش ہے	دل میں علیؑ ہیں، عقل کو سکتہ، نگاہ کم بزمِ خیال مے کدۂ بے خروش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے	شک ہے بچو فضائلِ حیدرؑ کے باب میں میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے
ساقی بہ جلوہ دشمنِ ایمان و آگہی مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے	مومن بہ نوحہ ہوش و خرد کا ہے رہنما مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے	ذکرِ غدیرِ خُم سے مُحب کا دماغ و دل دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے

غالب	اختر
لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے	نظریں علیؑ کے رُخ پہ، صدائے علیؑ بہ گوش یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے	زنداں ربابؑ کے تھے تاریک کیوں نہ ہو اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے
ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت کچھ نہ پوچھ ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تُو مجھے	دوست ہے تابِ شنیدن شرطِ ذکرِ مرتضیٰؑ ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تُو مجھے
آ کہ مری جان کو قرار نہیں ہے طاقتِ بیدادِ انتظار نہیں ہے	یا علیؑ اب تابِ انتظار نہیں ہے آ کہ مری جان کو قرار نہیں ہے
گریہ نکالے ہے تری بزم سے مجھ کو ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے	جشن میں بھی روئے ترے نام پہ حسینؑ ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے
ہجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے	غمِ شبیرؑ کی شدت میں ایسا پارہ پارہ ہے کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے
رفوئے زخم سے مطلب ہے لذتِ زخمِ سوزن کی سمجھیو مت کہ پاسِ درد سے دیوانہ غافل ہے	غمِ شبیرؑ میں گم ہو کے ذوقِ درد پایا ہے سمجھیو مت کہ پاسِ درد سے دیوانہ غافل ہے
وہ گُل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ہے	بیانِ ذکرِ حیدرؑ میں ہے ربطِ لفظ و معنی یوں چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ہے

غالب	اختر
جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے جاں کالبدِ صورتِ دیوار میں آوے	غشائے علیؑ ہو تو بہ فیضانِ تقرّب جاں کالبدِ صورتِ دیوار میں آوے
تب نازِ گراں مائیگیٔ اشک بجا ہے جب لختِ جگر دیدۂ خونبار میں آوے	حق ماتمِ اکبرؑ کا ادا ہوگا اُسی وقت جب لختِ جگر دیدۂ خونبار میں آوے
اس چشمِ فسوں گر کا اگر پائے اشارہ طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے	مولاؑ کا اشارہ ہو تو قانون بدل جائے طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے
غارت گرِ ناموس نہ ہو گر ہوسِ زر کیوں شاہدِ گل باغ سے بازار میں آوے	صدقہ جو نہ ہوتا ہوا سے شہ کے علم پر کیوں شاہدِ گل باغ سے بازار میں آوے
آتش کدہ ہے سینہ مرا رازِ نہاں سے اے وائے اگر معرضِ اظہار میں آوے	دل رازِ علیؑ جانے پہ نااہل کے آگے اے وائے اگر معرضِ اظہار میں آوے
حُسنِ مہ گرچہ بہ ہنگامِ کمال اچھّا ہے اس سے میرا مہِ خورشید جمال اچھا ہے	ناخنِ پائے محمدؐ سے اسے کیا نسبت حُسنِ مہ گرچہ بہ ہنگامِ کمال اچھا ہے
بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے	اجر دیتے نہیں جنت کی ہوس رکھتے ہیں جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے
اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے	بوترابیؑ ہوں تو ہر بات میں نسبت بھی رہے ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

اختر	غالب
بے طلب جس سے ملے ہے وہ حقیقت میں امیرؔ وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے	بے طلب دیں تو مزہ اس میں سوا ملتا ہے وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے
روئے سجادؑ پہ ہے جن کی نظر دل پہ نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے	ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
موت اک منزلِ دیدارِ علیؑ ہے تو سہی جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے	ہم سخن تیشہ نے فرہاد کو شیریں سے کیا جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے
حُرؑ نے انجام میں شبیرؑ کا زانو پایا کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے	قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

اختر	غالب
لے کے آغوش میں اصغرؑ کو یہ کہتے تھے حسینؑ امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی	نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی
ہم منائیں گے یوں ہی قاسمؑ نوشاہ کی یاد نوحۂ غم ہی سہی، نغمۂ شادی نہ سہی	ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق نوحۂ غم ہی سہی، نغمۂ شادی نہ سہی
میرا ممدوح علیؑ دل کی زباں جانے ہے گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی	نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی
یک نفس عشقِ علیؑ میں ہے حیاتِ جاوید نہ ہوئی غالبؔ! اگر عمرِ طبیعی نہ سہی	عشرتِ صحبتِ خوباں ہی غنیمت سمجھو نہ ہوئی غالبؔ اگر عمرِ طبیعی نہ سہی

غالب — اختر

غالب

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے
کہ اپنے سایہ سے سر پانو سے ہے دو قدم آگے

اختر

کبھی جو عشق علیؑ میں، ہمیں ملا ہے مژدۂ قتل
عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے

گریہ ہوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھیئے کیا ہوتا ہے

جب جلالِ غمِ شبیرؑ ہو طاری ہم پر
اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھیئے کیا ہوتا ہے

عشق کی راہ میں ہے چرخِ مکوکب کی وہ چال
سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

غمِ عباسؑ میں دریا کی نقاہت مت پوچھ
سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ
کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے

دور ہو تم جو علیؑ سے تو نتیجہ معلوم
کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی سے معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

صبح سے شہر میں ہے ماتمِ اکبرؑ برپا
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

اے علیؑ ہم کو کہاں عرفانِ ذات
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

علیؑ کے باب میں یہ تہمت غلو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے ؟

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے
وگرنہ خوفِ بد آموزیِ عدو کیا ہے

مجھے پسند نہیں دشمنِ علیؑ سے کلام
وگرنہ خوفِ بد آموزیِ عدو کیا ہے ؟

غالبؔ	اخترؔ
چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن ہماری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے	غمِ حسینؑ ہی دولت ہے اور دل میں ہے ہماری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے
رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے	غمِ حسینؑ میں زخمی نہ ہو تو سینہ کیا جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے
پیوں شراب اگر خُم بھی دیکھ لوں دو چار یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے	خُمِ غدیر نے بخشی ہے روح کو مستی یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے
رہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر ہو بھی، تو کس اُمید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے	اگر شرافتِ ذکرِ علیؑ کی قدر نہیں تو کس اُمید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے ؟
میری قسمت میں غم گر اتنا تھا دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے	تھا بہتّرؑ کا غم جو میرا نصیب دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے
آہی جاتا وہ راہ پر غالبؔ کوئی دن اور بھی جئے ہوتے	ماں نے اصغرؑ کی لاش پر یہ کہا کوئی دن اور بھی جیتے ہوتے
گلشن کو تری صحبت از بس کہ خوش آئی ہے ہر غنچے کا گُل ہونا آغوش کشائی ہے	مداحِ علیؑ تُو نے کیا پھول کھلائے ہیں گلشن کو تری صحبت از بس کہ خوش آئی ہے
تو وہ بدخو کہ تحیّر کو تماشا جانے غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے	عام انداز میں ممکن ہی نہیں ذکرِ حسینؑ غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے

غالب	اختر
جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی لکھ دیجیو یارب اسے قسمت میں عدو کی	لمحہ کوئی خالی ہو اگر ذکرِ علیؑ سے لکھ دیجیو یارب اسے قسمت میں عدو کی
کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار مگر آشفتہ بیانی میری	یوں تو سب ذکرِ علیؑ کرتے ہیں مگر آشفتہ بیانی میری
متقابل ہے مقابل میرا رک گیا دیکھ روانی میری	شب کو تھا ذکرِ علیؑ، ماہِ تمام رک گیا دیکھ روانی میری
قدرِ سنگِ سرِ رہ رکھتا ہوں سخت ارزاں ہے گرانی میری	سب سنیں ذکرِ علیؑ، سمجھے کون سخت ارزاں ہے گرانی میری
کر دیا ضعف نے عاجز غالب ننگِ پیری ہے جوانی میری	گر نہ ہو ماتمِ اکبرؑ کے لئے ننگِ پیری ہے جوانی میری
پھر اس انداز سے بہار آئی کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی	درِ حیدرؑ پہ یوں رکا ہوں میں کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی
دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک اس کو کہتے ہیں عالم آرائی	نور ہی نور ہے شبِ معراج اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے	عشقِ حیدرؑ کی کوئی حد ہی نہیں چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے

اختر	غالب
کر رہا ہے فلسفی ذکرِ علیؑ بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیئے	چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیئے
شوق یوں تو کربلا کا سب کو ہے کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیئے	چاک مت کر جیب بے ایامِ گُل کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیئے
ہے جو محرومِ مودت حشر میں نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیئے	منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید نا اُمیدی اس کی دیکھا چاہیئے
خیرِ مطلق ہیں علیؑ، ان کے لئے چاہنے والا بھی اچھا چاہیئے	غافل ان مہ طلعتوں کے واسطے چاہنے والا بھی اچھا چاہیئے
آپ کو عرفان ہے وجہ اللہ کا! آپ کی صورت تو دیکھا چاہیئے	چاہتے ہو خوب رُویوں کو اسدؔ آپ کی صورت تو دیکھا چاہیئے
بڑھ رہا ہوں میں سوئے منزلِ عرفانِ علیؑ ہر قدم دوریٔ منزل ہے نمایاں مجھ سے	ہر قدم دوریٔ منزل ہے نمایاں مجھ سے میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے
ہے ابھی رخ پہ مرے شامِ غریباں کا اثر کس قدر خانۂ آئینہ ہے ویراں مجھ سے	غمِ عشاق نہ ہو سادگی آموزِ بتاں کس قدر خانۂ آئینہ ہے ویراں مجھ سے
کتنے پُر نور ہیں اشکِ غمِ شبیرؑ کہ ہم صورتِ رشتۂ گوہر ہے چراغاں مجھ سے	اثرِ آبلہ سے جادۂ صحرائے جنوں صورتِ رشتۂ گوہر ہے چراغاں مجھ سے

غالب

اختر

گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگیں تجھ سے
آئینہ داریٔ یک دیدۂ حیراں مجھ سے

یا علیؑ سہل ہو جلوہ کہ مجھے تا بہ کجا؟
آئینہ داریٔ یک دیدۂ حیراں مجھ سے

نکتہ چیں ہے غمِ دل اسکو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

غمِ شبیرؑ کو بدعت کہا ثابت نہ ہوا
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

بغضِ حیدرؑ کی عفونت سے عدو عاجز ہے
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
ہاتھ آویں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

ہاتھ سے اپنے علیؑ نے جو فرامین لکھے
ہاتھ آویں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

ہاں علیؑ چاہے تو بن جائے مگر خیبر میں
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

آتشِ عشقِ علیؑ بس کہ ہے توفیق کی بات
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

جلوے کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجئے خیال
دیدۂ دل کو زیارت گہِ حیرانی کرے

خالقِ حیرتِ علیؑ کا دل میں جلوہ ہو اگر
دیدۂ دل کو زیارت گہِ حیرانی کرے

وہ آکے خواب میں تسکینِ اضطراب تو دے
ولے مجھے تپشِ دل مجالِ خواب تو دے

وہ خواب ہی کبھی دیدارِ مرتضیٰ تو ملے
ولے مجھے تپشِ دل مجالِ خواب تو دے

غالب	اختر
اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے کہا جو اس نے "ذرا میرے پاؤں داب تو دے"	خوشی خوشی میں غلام علیؑ کی سمت بڑھا کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے
تپش سے میری وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے مرا سر رنجِ بالیں ہے مرا تن بارِ بستر ہے	علیؑ آئے نہیں اب تک مری آنکھیں سلگتی ہیں تپش سے میری وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے
خوشا اقبالِ رنجوری عیادت کو تم آتے ہو فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے	علیؑ آئے سرہانے میری دنیا جگمگا اٹھی فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے
کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجرِ یار میں غالب کہ بیتابی سے ہر یک تارِ بستر خارِ بستر ہے	نہ بھولے بسترِ شامِ غریباں کو کبھی عابدؑ کہ بیتابی سے ہر یک تارِ بستر خارِ بستر ہے
فریاد کی کوئی لے نہیں ہے نالہ پابندِ نے نہیں ہے	ہر رنگ میں ہے حسینؑ کا غم نالہ پابندِ نے نہیں ہے
ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے پر تجھ سی کوئی شے نہیں ہے	اے بابِ علیؑ یہاں ہے سب کچھ پر تجھ سی کوئی شے نہیں ہے
وائے واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے	چوم کر پائے علیؑ کو چین سے میں سو گیا لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے
کبھی تو اس دلِ شوریدہ کی بھی داد ملے کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے	علیؑ جو آئیں تو دل کی مراد پوری ہو کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے

غالبؔ

اسدؔ ہے نزع میں چل بے وفا برائے خدا
مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکیں ہے

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامۂ یارب مجھے
سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیرِ لب مجھے

یہ ضد کہ آج نہ آوے اور آئے بن نہ رہے
قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کہیے

رہے ہے یوں گہ و بے گہ کہ کوئے دوست کو اب
اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے

زہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب
کہ بن کہے ہی انہیں سب خبر ہے کیا کہیے

تمہیں نہیں ہے سرِ رشتۂ وفا کا خیال
ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کہیے

انہیں سوال پہ زعمِ جنوں ہے کیوں لڑیے
ہمیں جواب سے قطعِ نظر ہے کیا کہیے

کہا ہے کس نے کہ غالبؔ برا نہیں لیکن
سوائے اس کے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہیے

اخترؔ

علیؑ کے ذکر کی گرمی، غمِ حسینؑ کا جوش
مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکیں ہے

عقل ہے میری مسلسل محوِ ذکرِ بوترابؑ
سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیرِ لب مجھے

علیؑ کی دید میں تاخیر ہو رہی ہے بہت
قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کہیے

علیؑ کے جلوہ سے محروم ہے جو دل اس کو
اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے

امام عصرؑ کو رودادِ دل سنائیں کیا
کہ بن کہے ہی انہیں سب خبر ہے کیا کہیے

علیؑ ادھر سے گئے تھے بس اتنا کہتے ہیں
ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کہیے

علیؑ کے باب میں مخصوص کچھ سوالوں پر
ہمیں جواب سے قطعِ نظر ہے کیا کہیے

بھلا خلوصِ نصیریؔ پہ کون شک کرتا
سوائے اس کے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہیے

اختر	غالب
ہم اہلِ حق، علیؑ والے ہمیشہ ابتلا میں ہیں جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے	قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے
زباں پر میری ذکرِ سجدۂ شبیرؑ آیا ہے شکیب و صبرِ اہلِ انجمن کی آزمائش ہے	وہ آیا بزم میں دیکھو، نہ کہیو پھر کہ غافل تھے شکیب و صبرِ اہلِ انجمن کی آزمائش ہے
غمِ حسینؑ میں آنسو بقدرِ شوق نہیں کشاد و بستِ مژہ سیلیِ ندامت ہے	زبس کہ مشقِ تماشا جنوں علامت ہے کشاد و بستِ مژہ سیلیِ ندامت ہے
دوستو! امکانِ حیدرؑ کی حدِ آخر ہے کیا؟ میرا ذمہ، دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے	لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے میرا ذمہ، دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے
حر یہ کہتا تھا کہ رکھ دوں گا میں پائے شاہؑ پہ سر واں تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے	کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آ جائے رحم واں تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے
سلماںؓ کی نظر سے کوئی دیکھے تو یہ کہہ دے ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے	بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
ٹھوکر سے علیؑ کی مجھے آتی ہے یہ آواز اک بات ہے اعجازِ مسیحا مرے آگے	اک کھیل ہے اورنگِ سلیماں مرے نزدیک اک بات ہے اعجازِ مسیحا مرے آگے
بندہ ہوں علیؑ کا مجھے اسباب سے کیا کام بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے	بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

اختر	غالب
ہے نورِ محمدؐ کی حقیقت پہ نگاہیں جز وہم نہیں ہستیِ اشیاء مرے آگے	جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور جز وہم نہیں ہستیِ اشیاء مرے آگے
یہ اسپِ علمدارؑ جو کہہ دے تو بجا ہے گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے	ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے
کہہ سکتے ہیں یہ بات نصاریٰ سے پیمبرؐ کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے	ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے
اب تک تو ہے الزامِ غلو ذکرِ علیؑ میں آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے	ہے موجزن اک قلزمِ خوں کاش یہی ہو آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے
مداح و ثنا خوانِ شہنشاہِ نجف تھا غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے	ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز ہے میرا غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے
○	○
بغیر ذکرِ علیؑ، ذکرِ حق کی فرمائش تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے	کہوں جو حال تو کہتے ہو "مدعا کہیے" تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے
علیؑ کے باب میں کیوں مبتلائے وہم رہو مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے	نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ "ہم ستمگر ہیں" مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے
علیؑ کے عشق میں میثم نے یہ پیام دیا کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے	رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجے کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

غالب	اختر
نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے طراوتِ چمن و خوبیٔ ہوا کہیے	ہے اصلِ خُلد جو قربِ علیؑ تو جنت کو طراوتِ چمن و خوبیٔ ہوا کہیے
عرضِ نازِ شوخیٔ دنداں برائے خندہ ہے دعوئ جمعیتِ احباب جائے خندہ ہے	گر نہ ہوں مرکزِ علیؑ تو انتشارِ محض ہے دعوئ جمعیتِ احباب جائے خندہ ہے
سوزشِ باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے	جشن میں جب بھی زباں پر آ گیا نام حسینؑ دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے
ابنِ مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی	فخرِ مریمؑ ہے میری شہزادیؑ ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
ابنِ مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی	قم باذنی کی بات کب آئی ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
بات پر واں زبان کٹتی ہے وہ کہیں اور سنا کرے کوئی	وہ زبانِ نبیؐ وہ مدحِ علیؑ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی
بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی	میں علیؑ کو سمجھ رہا ہوں کیا کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی بخش دو گر خطا کرے کوئی	گر گنہ گارِ اہلبیتؑ نہ ہو بخش دو گر خطا کرے کوئی

غالب	اختر
کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند کس کی حاجت روا کرے کوئی	ہیں جو حاجت روائے خلق علیؑ کس کی حاجت روا کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکندر سے اب کسے رہنما کرے کوئی	رہنما ساز تو خدا ہی ہے اب کسے رہنما کرے کوئی
جب توقع ہی اٹھ گئی غالب کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی	ہے بہ قدرِ عطا ولائے علیؑ کیوں کسی کا گلا کرے کوئی
خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے	علیؑ کے غیر کو اپنا بنانا سعیٔ لاحاصل کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے
رونے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے	ہم کیا کہیں حسینؑ پہ رونے سے کیا ہوا دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے
رونے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے	اب ہم غم حسینؑ میں رکتے نہیں کبھی رونے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے
کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے	پیکاں گلوئے اصغرؑ معصوم پہ لگا پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے
اس رنگ سے اٹھائی کل اس نے اسد کی نعش دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے	اصغرؑ نے سوکھے ہونٹوں پہ پھیری زبان یوں دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

غالب

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی

افسردگی نہیں طرب انشائے التفات
ہاں درد بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی

لختِ جگر سے ہے رگِ ہر خار شاخِ گل
تا چند باغبانیِ صحرا کرے کوئی

ناکامیِ نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر
فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی

ہے وحشتِ طبیعتِ ایجاد یاس خیز
یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

حسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے اسدؔ
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

بیکاریِ جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

اختر

ممکن نہیں شہادتِ شبیرؑ کا بیاں
جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی

دعویٰ جو ہمسری کا ہے شبیرؑ کی تو کیا!
ہاں درد بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی

قلبِ شقی میں آ نہ سکا دردِ کربلا
تا چند باغبانیِ صحرا کرے کوئی

میثم! بہ دارِ مظہرِ عشقِ علیؑ ہے تو
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

دل اپنا کربلا ہے تو پھر اے غمِ جہاں
فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی

احساس شرط ہے غمِ شبیرؑ کے لئے
یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

پھر آرزوئے ماتمِ شبیرؑ ہے بجا
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

کیسے گرے ہیں گھوڑے سے عباسؑ یہ نہ پوچھ
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

غالب — اختر

غالب

باغ پا کر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے
سایۂ شاخِ گل، افعی نظر آتا ہے مجھے

اختر

جب خیال آتا ہے تجھے دھوپ میں گل زہراؑ کے
سایۂ شاخِ گل، افعی نظر آتا ہے مجھے

غالب

مدعا محوِ تماشائے شکستِ دل ہے
آئینہ خانہ میں کوئی لیے جاتا ہے مجھے

اختر

کھنچ رہا ہوں میں سوئے بزمِ غلامانِ علیؑ
آئینہ خانہ میں کوئی لیے جاتا ہے مجھے

غالب

نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کفِ خاک
آسماں بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے

اختر

میری نظروں میں ہے قوسین کی عظمت اختر
آسماں بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے

غالب

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

اختر

کہاں میں اور کہاں ذکرِ علیؑ کی وسعتیں یارب
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

غالب

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
بڑے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

اختر

غلامانِ علیؑ کے دل سے نکلی کہہ کے یہ دنیا
بڑے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

غالب

ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی
کہ صبحِ عید مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے

اختر

یہ دیباچہ شہادت کا سحر ہے عیدِ قرباں کی
کہ صبحِ عید مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے

غالب

بے پردہ سوئے وادیٔ مجنوں گذر نہ کر
ہر ذرہ کے نقاب میں دل بے قرار ہے

اختر

مظلومیتِ حسینؑ کی فطرت پہ چھا گئی
ہر ذرہ کے نقاب میں دل بے قرار ہے

غالب

اے عندلیب یک کفِ خس بہرِ آشیاں
طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے

اختر

ہے آمدِ امامؑ سے پہلے جو انقلاب
طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے

غالب

پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے

پھر گرمِ نالہ ہائے شرر بار ہے نفس
مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کئے ہوئے

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا ساماں کئے ہوئے

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا
جاں نذرِ دلفریبیٔ عنواں کئے ہوئے

اک نوبہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیرِ بارِ منتِ درباں کئے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

اختر

فصلِ عزا گزرنے پہ ہوتا ہے یہ گماں
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے

مدحِ علیؑ میں فکر ہے پھر آسماں طلب
مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کئے ہوئے

مجروح ہم ہیں ماتمِ شہؑ میں بہ چشمِ نم
سامانِ صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

ہیں چشم و قلب جلوۂ حیدرؑ کے منتظر
نظارہ و خیال کا ساماں کئے ہوئے

پڑھنے لگے حبیبؑ خطِ شاہِ کربلا
جاں نذرِ دلفریبیٔ عنواں کئے ہوئے

کوثر پہ مستِ بادۂ حبِ علیؑ ملے
چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے

جنت علیؑ کی ہے تو رکوں در پہ کس لئے
سر زیرِ بارِ منتِ درباں کئے ہوئے

مہلت نہیں خیالِ علیؑ سے کہاں کہ ہم
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

غالبؔ	اخترؔ
غالبؔ ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کئے ہوئے	ہاں ذاکرِ حسینؑ شہادت بیان کر بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کئے ہوئے
بہ قدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کیلئے	علیؑ کے ذکر میں الفاظ ساتھ کیا دیں گے کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کیلئے
زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کیلئے	زباں پہ نامِ علیؑ اس خلوص سے آیا کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کیلئے
زمانہ عہد میں اس کے ہے محوِ آرائش بنیں گے اور ستارے اب آسماں کیلئے	زمیں سے عرش تلک ہیں نبیؐ کے نقشِ قدم بنیں گے اور ستارے اب آسماں کیلئے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کیلئے	نجاتِ سیلِ حوادث میں اہلبیتؑ سے ہے سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لئے
ادائے خاص سے غالبؔ ہوا ہے نکتہ سرا صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے	علیؑ نہ تھے تو بلاتے گئے سرِ خیبر صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے
معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گذشتہ تیغِ ستم آئینۂ تصویر نما ہے	تاریخ ہے اک شمر کی تلوار کے پیچھے تیغِ ستم آئینۂ تصویر نما ہے
ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے	عنواں نہ ہو مولاؑ سے جدائی کا کبھی بھی یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

غالبؔ	اخترؔ
بیگانگیِ خلق سے بے دل نہ ہو غالبؔ کوئی نہیں تیرا تو مری جان! خدا ہے	زینبؑ نے سکینہؑ سے کہا شامِ غریباں کوئی نہیں تیرا تو مری جان! خدا ہے
وہ داد و دید گراں مایہ شرط ہے ہمدم وگرنہ مُہرِ سلیماں و جامِ جم کیا ہے	ہیں دست و قلبِ غلامِ علیؑ کی تعبیریں، وگرنہ مُہرِ سلیماں و جامِ جم کیا ہے
لکھا کرے کوئی احکامِ طالعِ مولود کسے خبر ہے کہ واں جنبشِ قلم کیا ہے	علیؑ بتائیں گے قسمت کا حال، اُنکے سوا کسے خبر ہے کہ واں جنبشِ قلم کیا ہے
بہت سہی غمِ گیتی شراب کم کیا ہے غلامِ ساقیِ کوثر ہوں مجھکو غم کیا ہے	بلا سے تشنہ لبی ہی مرا نصیب سہی غلامِ ساقیِ کوثر ہوں مجھکو غم کیا ہے
سخن میں خامۂ غالبؔ کی آتش افشانی یقیں ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہے	ہے اک گروہ مخالف حسینؑ کا اب بھی یقیں ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہے
منظور تھی یہ شکل تجلّی کو نور کی قسمت کھلی ترے قد و رُخ سے ظہور کی	انوارِ اہلبیتؑ جو شکلِ بشر میں آئے منظور تھی یہ شکل تجلّی کو نور کی
واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی	اخترؔ ملے وِلا سے وضو بھی حلال ہے کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی
گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی	وارث نہ تھا تو قبضہ بے جا کئے ہوئے کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

اختر	غالب
دل کو اُمیدِ رویتِ وجہِ خدا تو ہے آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی	کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طُور کی،
ہے خارجی کا بغضِ علیؑ سے مزاج تلخ کی جس سے بات اس نے، شکایت ضرور کی	گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر کی جس سے بات اس نے، شکایت ضرور کی
ایمان کو ضرورتِ مظہر تھی یا علیؑ قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی	منظور تھی یہ شکل تجلّی کو نور کی قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی
دل کو غمِ شبیرؑ سے طاقت ملی ورنہ غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے	غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے یہ رنج کہ کم ہے مئے گلفام بہت ہے
خوش ہوں کہ گرفتار ہوں میں عشقِ علیؑ میں گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے	نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں ہے گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
کیا ذکرِ علیؑ ہو کہ یہاں طرزِ بیاں میں پابستگیٔ رسم و رہِ عام بہت ہے	ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں پابستگیٔ رسم و رہِ عام بہت ہے
اے موت ابھی عقل پہ ہے مدحِ علیؑ قرض رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے	خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے
میں جو عباسؑ پہ رویا ہوں انھیں کیا معلوم دوست جو ساتھ مرے تا لبِ ساحل آئے	ان کو کیا علم کہ کشتی پہ مری کیا گذری دوست جو ساتھ مرے تا لبِ ساحل آئے

غالبؔ	اخترؔ
وہ نہیں ہم کہ چلے جائیں حرم کو اے شیخ ساتھ حجّاج کے اکثر کئی منزل آئے	ہم دورا ہے پہ جو آئے تو گئے سوئے نجف ساتھ حجّاج کے اکثر کئی منزل آئے
دیدہ خوں بار ہے مدت سے و لے آج ندیم دل کے ٹکڑے بھی کئی خون کے شامل آئے	جب لہو روتی مری آنکھ غمِ اکبرؑ میں دل کے ٹکڑے بھی کئی خون کے شامل آئے
سامنا حور و پری سے نہ کیا ہے نہ کریں عکس تیرا ہی مگر تیرے مقابل آئے	اے نبیؐ سوئے علیؑ دیکھ کہ آئینہ دیکھ عکس تیرا ہی مگر تیرے مقابل آئے
آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے	لیلیٰ کا یہ بیان تھا اکبرؑ کی لاش پر ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا افسونِ انتظار، تمنّا کہیں جسے	ہم پر چلا ہوا ہے بہ فیضِ امامِ عصرؑ افسونِ انتظار، تمنّا کہیں جسے
سر پر ہجومِ دردِ غریبی سے ڈالئے وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے	وقتِ نماز مجھکو دکھائے ہے کربلا وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے
غالبؔ بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے ایسا بھی ہے کوئی کہ سب اچھا کہیں جسے	ایماں جو شرط ہو تو علیؑ کے سوا بتاؤ ایسا بھی ہے کوئی کہ سب اچھا کہیں جسے
رنج طاقت سے سوا ہو تو نہ پیٹوں کیوں سر ذہن میں خوبیٔ تسلیم و رضا ہے تو سہی	بیخودی بھی غمِ شبیرؑ میں لازم ہے مجھے ذہن میں خوبیٔ تسلیم و رضا ہے تو سہی

غالب	اختر
ہے غنیمت کہ بامید گزر جائیگی عمر نہ ملے داد مگر روزِ جزا ہے تو سہی	مدحتِ آلِ پیمبرؐ پہ مجھے دنیا سے نہ ملے داد مگر روزِ جزا ہے تو سہی
میں ہوں مشتاقِ جفا مجھ پہ جفا اور سہی تم ہو بیداد سے خوش اس سے سوا اور سہی	میں حسینیؑ ہوں زمانے سے یہی کہتا ہوں میں ہوں مشتاقِ جفا مجھ پہ جفا اور سہی
تم بت ہو پھر تمہیں پندارِ خدائی کیوں ہے تم خداوند ہی کہلاؤ، خدا اور سہی	یا علیؑ ساری خدائی تو تمہاری ٹھہری تم خداوند ہی کہلاؤ، خدا اور سہی
تیرے کوچہ کا ہے مائل دلِ مضطر میرا کعبہ اک اور سہی، قبلہ نما اور سہی	خود بخود دل مرا جھکتا ہے نجف کی جانب کعبہ اک اور سہی، قبلہ نما اور سہی
کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یارب سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی	ہم علیؑ والوں کی قیمت تو نہیں ہے جنت سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی
منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے	ہے جس کا ذکر مظہرِ حسنِ خدا ہے وہ اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے
سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے	ہو مدحِ اہلِ بیتؑ سے ہٹ کر تو سچ یہ ہے کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے
آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلحِ کل ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے	میں بندۂ علیؑ ہوں بجز دشمنِ علیؑ ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

اختر	غالب
میں اور دعوئ وارثِ مداحیِ علیؑ یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے	اُستادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
دنیا یہ جانتی ہے علیؑ کا غلام ہوں سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے	جامِ جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
ہوں پُرسکون بندگیٔ بوترابؑ میں سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے	روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے
ذکرِ علیؑ پہ شکوۂ بے جا جو ہے تو ہو ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے	قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہیں ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے
ہے جانتے صداقتِ کردارِ اہل بیتؑ کہتا ہوں سچ، کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے	صادق ہوں اپنے قول میں غالبؔ خدا گواہ کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے
نامِ علیؑ جو لوں تو ملے طاقتِ جدید ہنستے ہیں دیکھ دیکھ کے سب ناتواں مجھے	ہنستے ہیں دیکھ دیکھ کے سب ناتواں مجھے یہ رنگِ زرد ہے چمنِ زعفراں مجھے
کہا اکبرؑ نے بابا! میرے سینے سے سناں کھینچو جو وہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے	ذرا کر زور سینے پر کہ تیرِ پُرستم نکلے جو وہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے
اے فلک دہر میں ہے ماتمِ شبیرؑ بپا شبنم اس باغ میں جب آئے تو گریاں آئے	گلشنِ دہر بھی ہے کوئی سرائے ماتم شبنم اس باغ میں جب آئے تو گریاں آئے

غالب	اختر
پھر مرتبہ بڑھایا مرا نفئی غیر نے آیا ہر اک مکان نظر لامکاں مجھے	معراج میں نبیؐ جو یہ کہتے تو تھا بجا آیا ہر اک مکان نظر لامکاں مجھے
دمِ واپسیں برسرِ راہ ہے عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے	جو آجائیں مولاؑ تو منزل ملے دمِ واپسیں برسرِ راہ ہے
بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے	بہ احتیاط اٹھائی گئی علیؑ کی طرف وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے
ہم رشک کو اپنے بھی گوارہ نہیں کرتے مرتے ہیں ولے ان کی تمنا نہیں کرتے	اسباب میں کیا ہے کہ غلامانِ علیؑ تو مرتے ہیں ولے ان کی تمنا نہیں کرتے
یہ باعثِ نومیدیٔ اربابِ ہوس ہے غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے	لاریب کہ تھا بندۂ بے دام علیؑ کا غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے
جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد صحرا ہماری آنکھ میں اک مشتِ خاک ہے	ہے زیبِ چشم سرمۂ خاکِ درِ علیؑ صحرا ہماری آنکھ میں اک مشتِ خاک ہے
ہوں میں بھی تماشائیِ نیرنگِ تمنا مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آوے	بس اتنا کہ سر میرا رہے پائے علیؑ پر مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آئے
بیضہ آسا تنگ بال و پر یہ ہے کنجِ قفس ازسرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے	روح چاہے قربِ حیدرؑ، جسم ہے زنجیرِ پا ازسرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

غالب

فشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم
صبا جو غنچہ کے پردے میں جا نکلتی ہے

ہمنشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزمِ عیش دوست
واں تو میرے نالہ کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے

تا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر سو ہے

دلا! یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر
نہ گریۂ سحری ہے نہ آہِ نیم شبی ہے

زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

اُگ رہا ہے در و دیوار پہ سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آتی ہے

مت پوچھ اسد وعدۂ کم فرصتیِ زیست
وہ دن بھی جو کاٹے تو قیامت تعبوں سے

اختر

ہے دل میں یادِ علیؑ کی لطافتوں کی مثال
صبا جو غنچہ کے پردے میں جا نکلتی ہے

ہائے وہ محفل جو ہے ناآشنائے کربلا
واں تو میرے نالہ کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے

ہم ذکرِ علیؑ کرتے ہیں جب بعض تنک ظرف
سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے

مرقدِ فاطمہؑ کے واسطے اپنے دل میں
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر سو ہے

خیالِ اکبرؑ ذیشاں میں ماں کو ہے سکتہ سا
نہ گریۂ سحری ہے نہ آہِ نیم شبی ہے

ہر مصیبت میں نصیری کا خدا کام آیا
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

حیف بر غربتِ ما، شہر میں ہے جشنِ غدیر
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آتی ہے

دنیا میں رہیں بعدِ نبیؐ، فاطمہؑ کچھ دن
وہ دن بھی جو کاٹے تو قیامت تعبوں سے

غالب — اختر

غالب

بے چشمِ دل نہ کر ہوسِ سیرِ لالہ زار
یعنی یہ ہر ورق، ورقِ انتخاب ہے

اختر

ہیں اہلِ بیتؑ مصحفِ ناطق سنبھل کے دیکھ
یعنی یہ ہر ورق، ورقِ انتخاب ہے

غالب

تا چند پست فطرتیِ طبعِ آرزو
یارب ملے بلندیِ دستِ دعا مجھے

اختر

قربِ علیؑ کی بات زباں پر تو لا سکوں
یارب ملے بلندیِ دستِ دعا مجھے

غالب

بہ یادِ گرمیِ صحبت بہ رنگِ شعلہ دہکے ہے
چھپاؤں کیونکہ غالب سوزشیں داغِ نمایاں کی

اختر

سنوں نامِ حسینؑ ابنِ علیؑ تو ضبط مشکل ہے
چھپاؤں کیونکہ غالب سوزشیں داغِ نمایاں کی

غالب

ہم مشقِ فکرِ وصل و غمِ ہجر سے اسد
لائق نہیں رہے ہیں غمِ روزگار کے

اختر

ذوقِ غمِ حسینؑ کا کیا ذکر ہے کہ لوگ
لائق نہیں رہے ہیں غمِ روزگار کے

غالب

اسد جمعیتِ دل در کنارِ بے خودی خوش تر
دو عالم آگہی سامانِ یک خوابِ پریشاں ہے

اختر

علیؑ کی جستجو ہی میں خرد نے عافیت پائی
دو عالم آگہی سامانِ یک خوابِ پریشاں ہے

غالب

ساقی بہارِ موسمِ گل ہے سرور بخش
پیماں سے ہم گذر گئے پیمانہ چاہیئے

اختر

ہم محفلِ غدیر سے کوثر پہ آئے ہیں
پیماں سے ہم گذر گئے پیمانہ چاہیئے

غالب

وقت اس افتادہ کا خوش جو قناعت سے اسد
نقشِ پائے مور کو تختِ سلیمانی کرے

اختر

کیا ملا سلمانؑ کو کیا کہیئے کہ فیضانِ علیؑ
نقشِ پائے مور کو تختِ سلیمانی کرے

غالب

آتش افروزیِ یک شعلۂ ایماں تجھ سے
چشمک آرائیِ صد شہرِ چراغاں مجھ سے

اختر

شمعِ عرفانِ علیؑ، ہے ترا احسان کہ ہے
آتش افروزیِ یک شعلۂ ایماں تجھ سے

غالب	اختر
آتش افروزیِ یک شعلۂ ایماں تجھ سے چشمک آرائیِ صد شہر چراغاں مجھ سے	غمِ شبیرؑ کے آنسو جو ہیں آنکھوں میں تو ہے چشمک آرائیِ صد شہر چراغاں مجھ سے
ترجبیں رکھتی ہے شرمِ قطرہ سامانی مجھے موجِ گردابِ حیا ہے، چینِ پیشانی مجھے	سیلِ بے پایانِ عرفانِ علیؑ کے سامنے ترجبیں رکھتی ہے شرمِ قطرہ سامانی مجھے
نگاہِ عبرت افسوں گاہ برق و گاہ مشعل ہے ہوا ہے خلوت و جلوت سے حاصل ذوقِ تنہائی	علیؑ کی جستجو میں غرق ہونے کا اثر دیکھا ہوا ہے خلوت و جلوت سے حاصل ذوقِ تنہائی
رشک ہے آسائشِ اربابِ غفلت پر اسد پیچ و تابِ دل نصیبِ خاطرِ آگاہ ہے	کربلا کا درد عارف کا مقدر کیوں نہ ہو پیچ و تابِ دل نصیبِ خاطرِ آگاہ ہے
نے حسرتِ تسلی، نہ ذوقِ بے قراری یک درد و صد دوا ہے، یک دست و صد دعا ہے	نادِ علیؑ وظیفہ، نامِ علیؑ وسیلہ یک درد و صد دوا ہے، یک دست و صد دعا ہے
یقیں ہے آدمی کو دستگاہِ فقر حاصل ہو دمِ تیغِ توکل سے اگر پائے سبب کاٹے	فقیرِ بارگاہِ بابِ علمِ مصطفیٰ ہوگا دمِ تیغِ توکل سے اگر پائے سبب کاٹے
گدائے طاقتِ تقریر ہے زباں تجھ سے کہ خامشی کو ہے پیرایۂ بیاں تجھ سے	علیؑ کہ نہجِ بلاغت کا تو ہی خالق ہے گدائے طاقتِ تقریر ہے زباں تجھ سے
گدائے طاقتِ تقریر ہے زباں تجھ سے کہ خامشی کو ہے پیرایۂ بیاں تجھ سے	علیؑ سکوت ترا کاشفِ حقیقت ہے کہ خامشی کو ہے پیرایۂ بیاں تجھ سے

اختر	غالب
حسینؑ تُو نے نمازوں کی آبرو رکھ لی جبینِ سجدہ فشاں تجھ سے، آستاں تجھ سے	نیاز، پردۂ اظہارِ خود پرستی ہے جبینِ سجدہ فشاں تجھ سے، آستاں تجھ سے
علیؑ کے باب میں امکانِ آگہی معلوم اسد! ہنوز گمانِ غرورِ دانائی؟	وداعِ حوصلہ، توفیقِ شکوہ، عجز، وفا اسد! ہنوز گمانِ غرورِ دانائی؟
نقشۂ شامِ غریباں دن ڈھلے تک بن گیا صبح سے معلوم آثارِ ظہورِ شام ہے	صبح سے معلوم آثارِ ظہورِ شام ہے غافلاں آغازِ کار آئینۂ انجام ہے
ذوالعشیرہ ابتدا ہے انتہا بزمِ غدیر غافلاں آغازِ کار آئینۂ انجام ہے	صبح سے معلوم آثارِ ظہورِ شام ہے غافلاں آغازِ کار آئینۂ انجام ہے
دوپہر کی دھوپ، صحرا کی تپش، جوشِ ولا اے خوشا وقتے کہ ساقی یک خمستاں وا کرے	اے خوشا وقتے کہ ساقی یک خمستاں وا کرے تار و پودِ فرشِ محفل پنبۂ مینا کرے
ہم کہ مستِ بادۂ حبِّ علیؑ ہیں ہم سے کیا آسماں سے بادۂ گلفام گو برسا کرے	توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا آسماں سے بادۂ گلفام گو برسا کرے
امامِ عصرؑ نہ روکے جو انتشارِ جہاں تمام دفترِ ربطِ مزاج برہم ہے	اگر نہ ہووے رگِ خواب صرفِ شیرازہ تمام دفترِ ربطِ مزاج برہم ہے
اے علیؑ والے مقرر ہیں تری سب منزلیں مرگ سے وحشت نہ کر راہِ عدم پیمودہ ہے	جس طرف سے آئے ہیں آخر ادھر ہی جائیں گے مرگ سے وحشت نہ کر راہِ عدم پیمودہ ہے

غالبؔ	اخترؔ
شعر کی فکر کو اسدؔ چاہیئے ہے دل و دماغ عذر کہ یہ فسردہ دل بے دل و بے دماغ ہے	ذکرِ علیؑ ہے زندگی شاعرِ خوش بیاں نہ کر عذر کہ یہ فسردہ دل بے دل و بے دماغ ہے
نوائے خفتۂ الفت اگر بے تاب ہو جائے پرِ پروانہ تارِ شمع پر مضراب ہو جائے	بہ یک رقصِ شرر آواز میری تا نجف پہنچے نوائے خفتۂ الفت اگر بے تاب ہو جائے
بہ رنگِ گل اگر شیرازہ بندِ بے خودی رہیئے ہزار آشفتگی مجموعۂ یک خواب ہو جائے	علیؑ رویا میں آجائیں تو دل تسکین پا جائے ہزار آشفتگی مجموعۂ یک خواب ہو جائے
اسدؔ باوصفِ عجز بے تکلف خاک گردیدن غضب ہے گر غبارِ خاطرِ احباب ہو جائے	کسی بھی بوترابیؑ کی زباں سے ذکرِ مولاؑ کا غضب ہے گر غبارِ خاطرِ احباب ہو جائے
دامانِ دل بہ وہمِ تماشا نہ کھینچیئے اے مدعی خجالتِ بے جا نہ کھینچیئے	زیبا نہیں ہے دعویٔ عرفانِ اہلبیتؑ اے مدعی خجالتِ بے جا نہ کھینچیئے
دامانِ دل بہ وہمِ تماشا نہ کھینچیئے اے مدعی خجالتِ بے جا نہ کھینچیئے	آثارِ کربلا کی زیارت تو کیجئے دامانِ دل بہ وہمِ تماشا نہ کھینچیئے
خود نامہ بن کے جائیے اس آشنا کے پاس کیا فائدہ کہ منتِ بیگانہ کھینچیئے	وابستگی جو ہے تو علیؑ کو پکاریئے کیا فائدہ کہ منتِ بیگانہ کھینچیئے
ہر چند عمر گذری آزردگی میں لیکن ہے شرحِ شوق کو بھی جوں شکوہ ناتمامی	ہرچند عقل نے کی تشریحِ وصفِ حیدرؑ ہے شرحِ شوق کو بھی جوں شکوہ ناتمامی

غالب | اختر

غالب

تغافل دوست ہوں میرا دماغ عجز عالی ہے
اگر پہلو تہی کیجے، جگہ میری بھی خالی ہے

اختر

علیؑ والا ہوں میری بے نیازی پر تعجب کیوں
تغافل دوست ہوں میرا دماغِ عجز عالی ہے

غالب

سیہ مستی ہے اہلِ خاک کو ابرِ بہاری سے
زمیں جوشِ طرب سے جام لبریزِ سفالی ہے

اختر

ظہورِ ساقیٔ کوثر سے رندِ دل میں بہار آئی
زمیں جوشِ طرب سے جام لبریزِ سفالی ہے

غالب

ماہ تو یوں کہ فلک عجز سکھاتا ہے مجھے
عمر بھر ایک ہی پہلو پہ سلاتا ہے مجھے

اختر

ماں یہ کہتی تھی کہ اصغرؑ تجھے رونے کا خیال
عمر بھر ایک ہی پہلو پہ سلاتا ہے مجھے

غالب

زخمِ دل تم نے دکھایا ہے کہ جی جانے ہے
ایسے ہنستے کو رلایا ہے کہ جی جانے ہے

اختر

دیکھ کر لاشۂ اکبرؑ کو کہا لیلیٰؑ نے
ایسے ہنستے کو رلایا ہے کہ جی جانے ہے

غالب

کیا غم ہے اُس کو جس کا علیؑ سا امام ہو
اتنا بھی اے فلک زدہ کیوں بدحواس ہے

اختر

یہ آسماں بھی تابعِ حکمِ علیؑ ہے جب
اتنا بھی اے فلک زدہ کیوں بدحواس ہے

غالب

کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

اختر

عباسؑ نے جلال سے اہلِ ستم پہ یوں
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

غالب

پیچ آپڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے
وہ آئے یا نہ آئے پہ یہاں انتظار ہے

اختر

ہم منتظر ہیں جس کے ہماری حیات تک
وہ آئے یا نہ آئے یہاں انتظار ہے

غالب

اسد! یہ نازکی طبع آرزو انصاف
کہ ایک وہمِ ضعیف و غمِ دو عالم ہے

اختر

علیؑ یقین نہ بخشے تو عافیت معلوم
کہ ایک وہمِ ضعیف و غمِ دو عالم ہے

غالب

جوابِ جنتِ بزمِ نشاطِ جاناں ہے
مری نگاہ جو خوں بار ہوتی آتی ہے

اختر

ہے بسکہ نصرتِ شبیرؑ کی یہ اک صورت
مری نگاہ جو خوں بار ہوتی آتی ہے

انجمن عزاداران اہلبیتؑ حیدرآباد